ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

10

www.tanzeem.org

7تا13 جمادی الثانی 1438ھ/7تا13 مارچ 2017ء

انقلاب کے لیے کیسے لوگ درکار ہیں؟

یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ اب انسانیت کا مستقبل اسلام پر منحصر ہے۔ انسان کے اپنے بنائے ہوئے تمام نظریات ناکام ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کسی کے لیے کامیابی کا اب امکان نہیں ہے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ دنیا بس مفتوح ہونے کے لیے تیار بیٹھی ہے۔ اسلام کی خوبیوں پر ایک وعظ اور اس پر ایمان لانے کے لیے ایک دعوت نامہ شائع ہونے کی دیر ہے، پھر ایشیا، یورپ، افریقہ سب مسخر ہوتے چلے جائیں گے۔ ایک تہذیب کا سقوط اس طرح اچانک نہیں ہوا کرتا —— دنیا کو اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لیے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ یہاں صحیح نظریہ موجود ہے۔ صحیح نظریہ کے ساتھ ایک صالح جماعت کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ایسے لوگ درکار ہیں جو اس نظریے پر سچا ایمان رکھتے ہوں۔ ان کو سب سے پہلے اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہوگا۔ اور وہ صرف اسی طرح دیا جا سکتا ہے کہ وہ جس اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں، اس کے خود مطیع بنیں۔ جس ضابطے پر ایمان لاتے ہوں، اس کے خود پابند ہوں۔ جس اخلاق کو صحیح کہتے ہیں، اس کا خود نمونہ بنیں۔ جس چیز کو فرض کہتے ہیں اس کا خود التزام کریں اور جس کو حرام کہتے ہیں اسے خود چھوڑ دیں۔ اس کے بغیر تو ان کی صداقت آپ ہی مشتبہ ہوگی کجا کہ کوئی ان کے آگے سرِ تسلیم خم کرے۔ پھر ان کو اس فاسد نظام تہذیب و تمدن و سیاست کے خلاف عملاً بغاوت کرنی ہوگی۔ اس سے اور اس کے پیرووں سے تعلق توڑنا ہوگا۔ ان تمام فائدوں، لذتوں آسائشوں اور امیدوں کو چھوڑنا ہوگا جو اس نظام سے وابستہ ہوں اور اس راہ میں تمام نقصانات، تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ہوگا۔ پھر انہیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو ایک فاسد نظام کے تسلط کو مٹانے اور ایک صحیح نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس انقلاب کی جدوجہد میں اپنا مال بھی قربان کرنا ہوگا۔ اپنے اوقاتِ عزیز بھی صرف کرنے ہوں گے۔ اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے بھی کام لینا ہوگا اور قید و جلاوطنی اور ضبط اموال اور تباہی اہل و عیال کے خطرات بھی سہنے ہوں گے اور وقت پر اپنی جانیں بھی دینی پڑیں گی۔ ان راہوں سے گزرے بغیر دنیا میں نہ کبھی کوئی انقلاب آیا ہے، نہ اب آسکتا ہے۔

محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

اس شمارے میں

منافقت کا عذاب

تحفظ کا یقینی راستہ اور ناکام سہارے

مطالعۂ کلامِ اقبال

دہشت گردی کی نئی لہر
کیا ہماری غلطیوں کا نتیجہ ہے؟

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں

لبرل ازم اور اس کے اثرات و نتائج

وحدت اُمت کا ثبوت!

یاجوج ماجوج کا خروج

سُورۃُ الکَھف | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات:97تا 100

فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡھَرُوۡہُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ ھٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَکَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿۹۸﴾ وَتَرَکۡنَا بَعۡضَھُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰھُمۡ جَمۡعًا ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضۡنَا جَھَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا ﴿۱۰۰﴾

آیت ۹۷ ﴿فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡھَرُوۡہُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ﴿۹۷﴾﴾ ’’اب نہ تو وہ (یاجوج ماجوج) اس کے اوپر چڑھ سکیں گے‘ اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں گے۔‘‘

آیت ۹۸ ﴿قَالَ ھٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ﴾ ’’اس نے کہا کہ یہ رحمت ہے میرے رب کی‘‘

اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینے کے بعد بھی ذوالقرنین کوئی کلمہ فخر زبان پر نہیں لائے‘ بلکہ یہی کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں‘ یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوا ہے۔

﴿فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ﴾ ’’اور جب آجائے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کر دے گا اس کو ریزہ ریزہ۔‘‘

چنانچہ امتدادِ زمانہ کے سبب یہ دیوار اب ختم ہو چکی ہے‘ صرف اس کے آثار موجود ہیں‘ جن سے اس کے مقام اور سائز وغیرہ کا پتا چلتا ہے۔

﴿وَکَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ﴿۹۸﴾﴾ ’’اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔‘‘

آیت ۹۹ ﴿وَتَرَکۡنَا بَعۡضَھُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ﴾ ’’اور ہم چھوڑ دیں گے ان کو اس دن وہ ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو جائیں گے‘‘

قربِ قیامت کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ یاجوج وماجوج کا ظہور بھی ہے۔ وہ دریاؤں اور سمندروں کا پانی پی جائیں گے اور ہر چیز کو ہڑپ کر جائیں گے۔ عین ممکن ہے وہ آدم خور بھی ہوں اور ضرورت پڑنے پر انسانوں کو بھی کھا جائیں۔ یاجوج وماجوج جس طرح آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے اپنے ملحقہ علاقوں کی مہذب آبادیوں کو تاخت وتاراج کرتے تھے‘ اسی طرح قیامت سے پہلے ایک دفعہ پھر وہ دنیا میں تباہی مچائیں گے اور ان کا ظہور اپنی نوعیت کا ایک بہت اہم واقعہ ہوگا۔

﴿وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰھُمۡ جَمۡعًا ﴿۹۹﴾﴾ ’’اور صور میں پھونکا جائے گا‘ پس ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔‘‘

آیت ۱۰۰ ﴿وَّعَرَضۡنَا جَھَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا ﴿۱۰۰﴾﴾ ’’اور اُس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لے آئیں گے۔‘‘

کہ دیکھ لو اپنی آنکھوں سے‘ اسے ہم نے تمہارے انجام کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

ظالم کی مدد نہ کریں

عَنۡ اَوۡسِ بۡنِ شُرَحۡبِیۡلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَقُوۡلُ: ((مَنۡ مَّشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِّیُقَوِّیَہٗ وَھُوَ یَعۡلَمُ اَنَّہٗ ظَالِمٌ فَقَدۡ خَرَجَ مِنَ الۡاِسۡلَامِ))

(مشکوٰۃ کتاب الآداب باب الظلم)

حضرت اَوس بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ’’جو شخص کسی ظالم کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے اس کا ساتھ دیتا ہے حالانکہ وہ اسے ظالم جانتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا یہ کام ہی نہیں ہے کہ وہ ظالم کی اعانت کرے اور اس کا ہاتھ مضبوط کرے۔ جان بوجھ کر کسی ظالم کی تائید کرنا اور اس کی غلط کاریوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالنا بلکہ ان کی صحت اور جواز کے لیے زبان اور قلم سے تقویت پہنچانا ایک ایسا شنیع فعل ہے جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔

ادار یہ

حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منافقت کا عذاب

ملک میں امن وامان کی صورت حال ایک مرتبہ پھر بگڑ چکی ہے۔ جس کے پیش نظر آرمی نے ملک بھر میں ''ردالفساد'' کے نام سے آپریشن کا آغاز کردیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس کی اپنی جگہ ضرورت بھی ہے۔ آخر اس فساد کو روکنا بھی تو ہے۔ کس انداز سے روکا جائے، یہ الگ سوال ہے۔ کچھ لوگوں کو یاد ہوگا کہ جب ''ضرب عضب'' شروع کیا گیا تھا تو اس وقت بھی ہم نے یہ موقف اختیار کیا تھا اور اس کو عام بھی کیا تھا کہ اس کا فائدہ وقتی اور عارضی ہوگا اور ایسا ہی ہوا۔ فائدہ تو ہوا۔ کچھ دیر کے لیے دہشت گردی رک گئی بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ واضح طور پر کم ہوگئی تھی۔ لیکن اب دہشت گردوں نے پھر زوردار انداز میں جوابی حملہ کیا ہے۔ اور زیادہ امکان اسی کا ہے کہ ردالفساد آپریشن کے نتیجے میں بھی دہشت گردی میں کمی واقع ہوجائے گی یا وقتی طور پر یہ ختم ہوجائے گی۔ لیکن جو بھی ہوگا وہ مستقل نہیں ہوگا۔ مستقل اور پائیدار حل کیا ہے؟

گزشتہ ہفتہ اہل پاکستان کو جو سب سے بڑا مسئلہ درپیش رہا وہ تھا کہ PSL کا فائنل میچ کہاں کھیلا جائے۔ سیاسی حکومت، سکیورٹی ادارے، بیوروکریٹس کا لاؤ لشکر دن رات اجلاس منعقد کررہا تھا اور اس بات پر غور و خوص ہو رہا تھا کہ کیا ہم لاہور آنے والے چند غیر ملکی کھلاڑیوں کی ایک دن کے لیے حفاظت کرسکیں گے۔ بالآخر قوم کو یہ نوید سنائی گئی کہ یہ میچ لاہور میں ہوگا، ہم نے دہشت گردوں کا چیلنج قبول کرلیا ہے۔ گویا یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہے جو ہمیں سرانجام دینا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرز عمل پر قوم کا درد رکھنے والے سنجیدہ حلقے اس سوچ میں غرق ہیں کہ اگر ہماری حکومت ایک دن کے کرکٹ میچ میں چند غیر ملکی کھلاڑیوں کی حفاظت کے حوالے سے غیر یقینی کیفیت کا شکار ہوجاتی ہے اور فیصلہ کرنے میں کئی ہفتے لگا دیئے جاتے ہیں تو کل کلاں خدانخواستہ اگر ملکی سلامتی کو حقیقی خطرہ لاحق ہوا تو ذہنی طور پر مفلوج یہ قیادت کیا گل کھلائے گی؟

پاکستان کے حالات کے حوالے سے ہمارا تجزیہ یہ تھا اور ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اور اللہ نے اپنی غیبی نصرت کے ذریعے یہ خطہ ہمیں عطا فرمایا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انگریز بھی قیام پاکستان کی مخالفت پر اترا ہوا تھا اور ہندو بھی شدید مخالف تھا۔ پاکستان کے بننے کا کوئی امکان دور دور نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے ایک بھرپور تحریک چلائی، جس کا یہ نعرہ تحریک کی جان تھا کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ''۔ یعنی ہم نے اسلام کی بالادستی کے وعدے پر تحریک چلائی اور اللہ نے خصوصی غیبی تائید کے ذریعے ہمیں یہ ملک عطا فرمادیا۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہم نے کیا ہے، وہ بڑی ہی دل خراش داستان ہے۔ جس کا کوئی اختتام نظر نہیں آرہا۔ اب بھی ہم اسی سمت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ اللہ اور اس کے دین سے مسلسل بے وفائی، بلکہ غداری کہا جائے تو کچھ غلط نہیں ہوگا، مغرب سے جو بھی ڈکٹیشن آئے ہمیں آنکھیں بند کر کے منظور ہے، بے خدا تعلیم، لادینیت اور بے حیائی کا سیلاب ہمیں منظور ہے، مگر اللہ کا دین اس ملک میں قائم و نافذ ہو، یہ نہیں ہوسکتا۔ بہر حال ۔

''فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے لیکن
نہیں بھی کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف''

کے مصداق اس قومی جرم کی سزا بھی اجتماعی سطح پر آیا کرتی ہے۔ کسی بھی طبقے نے صحیح معنوں میں اپنی ذمہ داری اس ملک میں پوری نہیں کی۔ خواہ وہ حکمران طبقہ ہو یا وہ طبقہ ہو جو نوجوان نسل کی تربیت اور کردار سازی کا

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

7 تا 13 جمادی الثانی 1438ھ جلد 26
7 تا 13 مارچ 2017ء شمارہ 10

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک......450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا-----------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

ذمہ دار تھا، اسی طرح کاروباری طبقہ ہو یا سرکاری ملازمت پیشہ افراد ہوں، وکلاء ہوں یا ہمارے نظامِ انصاف کے ذمہ دار، سب دنیا پرستی اور خود غرضی کی دلدل میں غرق نظر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ ہمارے دینی طبقات، علماء کرام کی کنٹری بیوشن کچھ نہ کچھ ہے لیکن حق ادا نہیں کیا گیا۔ انہوں نے تعلیمی اور تدریسی ذمہ داری تو ادا کی لیکن اس اصل مسئلہ پر بھرپور توجہ نہیں دی۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مصداق مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ دین کے قیام کا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ مسئلے مسائل بتاتے رہتے ہیں وہ بھی ضرورت ہے لیکن سب سے بڑے اور اصل مسئلے کو نظر انداز کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سب سے اہم مسئلہ وطنِ عزیز میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام ہے۔ اب یہاں اس نظام کے قیام میں رکاوٹ ہندو نہیں ہیں۔ سکھ بھی رکاوٹ نہیں ہیں۔ اگر اس ملک میں 96 فیصد مسلمان ہیں تو اسلامی نظام قائم کرنے میں کون رکاوٹ ہے؟ کیسے ہے؟ جبکہ ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے سے بڑھ کر مسلمان گردانتا ہے۔ پرویز مشرف نے کہا تھا کہ میں نے بیت اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی ہے۔ اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ اس نے اس انداز سے کیا کہ گویا اس مقام تک کون پہنچا ہے جہاں وہ پہنچا ہوا تھا۔ اس طرح ہم اللہ کو دھوکہ دینا چاہ رہے ہیں یا اپنے آپ کو؟ فرمانِ الٰہی ہے:

''وہ دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں اللہ کو اور اہلِ ایمان کو۔ اور نہیں دھوکہ دے رہے مگر صرف اپنے آپ کو'' (البقرہ:9)

تو بہر حال سزا قومی سطح پر آتی ہے۔ کسی ایک طبقے نے بھی اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا نہیں کی۔ دنیا داری میں، ہوس پرستی میں آگے سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے نزدیک پائیدار حل صرف اسلامی نظام کا قیام ہے۔ اسی سے ملتی جلتی بات عمران خان نے بھی عدالت عالیہ کے سامنے رکھی ہے کہ آئین کی شق 62،63 کو عملاً لاگو کیا جائے۔ چاہے وہ خود اس کی زد میں آ جائیں۔ بات تو انہوں نے سو فیصد درست کہی۔ جبکہ حاضر جج کا جو جواب سامنے آیا وہ بھی اپنے اندر ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ حاضر جج نے کہا کہ اگر آرٹیکل 62،63 کو لاگو کیا گیا تو جماعت اسلامی کے سراج الحق صاحب کے سوا ساری پارلیمنٹ نااہل ہو جائے گی۔ یہ اپنی جگہ ایک لطیفہ ہی سہی لیکن ذرا غور کریں، یقیناً یہ ہمارے لیے بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ اگر دستور میں طے شدہ 62،63 کو لاگو نہیں کرنا تو پھر کیا مطلب ہے اس دستور کا؟ دستور کا بھی ہم نے مذاق بنا کر رکھا ہوا ہے۔ پھر تو ان شقوں کو آئین سے نکال دینا چاہیے۔ وہ آئین میں اپنی جگہ موجود بھی ہیں اور ان کی شرائط کو پورا کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جا رہی۔ یعنی بے اصولی کی انتہا ہے۔ لیکن ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ تو قوم کی کریم ہے جو اسمبلیوں میں بیٹھی ہے۔ لیکن اخلاقی سطح کا حال یہ ہے! لہٰذا یہ اسی لیے ہو رہا ہے کہ ہم سب دین سے بے وفائی کے اسی راستے پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا تجزیہ تھا کہ چونکہ ہم نے دین سے بے وفائی کی ہے لہٰذا آج پاکستانی قوم میں اللہ کی طرف سے منافقت ایک بڑے عذاب کے طور پر مسلط کر دی گئی ہے۔ وہ اپنی طرف سے نہیں یہ موقف انہوں نے قرآن حکیم کے نصوص کی بنیاد پر اختیار کیا تھا۔ قرآن مجید میں سورہ توبہ کی آیات 75 تا 77 میں یہ مضمون آیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی قوم یہ کہے کہ اللہ ہم پر فلاں فضل کر دے یا فلاں نعمت عطا کر دے تو خوب نیک کام کریں گے، تو ہم سچے پکے مسلمان بن کر دکھائیں گے۔ پھر اگر اللہ ان کو وہ نعمت عطا کر دے لیکن وہ اللہ سے کیے ہوئے وعدے سے منحرف ہو جائیں، جیسا کہ ہم نے بحیثیت قوم اپنے وعدے سے انحراف کیا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے شخص یا ایسی قوم کے دلوں میں سزا کے طور پر نفاق ڈال دیتا ہے اور وہ نفاق پھر ان کے دلوں میں ایسا رچ بس جاتا ہے کہ پھر نکل نہیں سکتا۔ ہم نے یہی کیا۔ اللہ سے وعدہ کیا اور پاکستان بنتے ہی اس وعدے کو طاقِ نسیان کی زینت بنا دیا۔ حالانکہ سب سے پہلا کام ہی یہ ہونا چاہیے تھا کہ انگریز کے بنائے ہوئے نظام کو ٹھوکر مار کر اللہ کے دین کو قائم کرتے۔ افغان طالبان کو جب افغانستان میں اقتدار ملا تو انہوں نے تو کوئی دیر نہیں کی، فوراً شریعت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ پورا ملکی نظام اللہ اور رسول کی عطا کردہ شریعت کے مطابق استوار کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کامل امن وامان وہاں قائم ہو گیا، جرائم ختم ہو گئے۔ لوگوں کو فوری عدل و انصاف میسر آیا۔ پورا ملک امن وامان اور سلامتی کا ایسا گہوارہ بن گیا کہ جیلیں خالی ہو گئیں۔ چوری، ڈاکے اور دیگر تمام جرائم عنقا ہو گئے۔۔۔ اور دیکھنے والوں کے دلوں میں بیسویں صدی اواخر میں خلافت راشدہ کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ پاکستان اس کے مقابلے میں جہنم وار ہے۔ ان کا تو مسئلہ کہیں نہیں رکا۔ یہاں تو آج بھی شریعت پڑھائی جا رہی ہے اور انہوں نے بھی یہیں سے دیوبندی مکاتب فکر سے پڑھی تھی۔ لیکن اب سو طرح کے اعتراضات کہ یہ مسئلہ کیسے حل ہوگا، وہ کیسے ہوگا۔ جب ارادہ ہی نہ ہو تو پھر ایک ہزار اعتراضات لے آئیں۔ جبکہ افغان طالبان نے دیکھتے ہی دیکھتے شریعت قائم کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اثرات فوری طور پر سامنے آ گئے۔ لیکن ہمیں آزاد پاکستان میں رہتے ستر سال ہو گئے ہیں اور ہم نے ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کی صورت میں نفاذ شریعت کے حوالے سے ان سے زیادہ علمی کام بھی کیا ہوا ہے، لیکن رتی بھر بھی نافذ نہیں کیا، وہ سارا علمی کام ردی کی ٹوکری کی زینت بنا ہوا ہے۔ یہ سب منافقت کے مظاہر ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص میں چار خصلتیں ہوں تو وہ پکا منافق ہے، چاہے نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور اپنے آپ کو بڑا پکا مسلمان سمجھتا ہو۔ (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جھوٹ بولنے کو اب معیوب سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کی بجائے اس پر جھوٹا پردہ ڈالنا ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے۔ قدم قدم پر جھوٹ، یہاں تک کہ بچوں کو بھی ہم یہی سمجھا رہے ہوتے ہیں۔ باہر کوئی آیا ہے تو جاؤ بیٹا کہہ دو گھر میں نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے حق کے لیے جہاں چاہیں غلط بیانی کریں۔ اصول ہی ختم ہو گیا۔ (2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (3) جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔ آج سب بھولے ہوئے ہیں کہ سرکاری عہدے اور ذمہ داریاں قوم کی امانت ہوتی ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں اس کا استعمال کس طرح ہو رہا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے لفظ منافقت بھی چھوٹا پڑتا دکھائی دے رہا ہے۔ (4) اگر کہیں جھگڑا ہو جائے تو فوراً ہی آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق یہ چار خصلتیں جس میں ہوں وہ پکا منافق ہے اور یہ منافقت اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر اس قوم پر مسلط کر دی جاتی ہے جو اللہ سے کیے ہوئے وعدے سے مکر جائے۔ یہ چاروں خصلتیں آج پورے طور پر ہماری قوم میں رچی بسی نظر آتی ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو سرکاری مناصب میں سے جس قدر اونچے اور اہم منصب پر ہے اس میں یہ خصلتیں اتنی ہی زیادہ ہیں۔ لہٰذا اب 63,62 کو روئیں یا جو بھی کریں، اس عذاب سے ہم نکل نہیں سکتے جب تک کہ ہم نے جو جرم کیا ہے اس کی تلافی نہ کریں۔ اس جرم کی تلافی کریں گے تو ان شاء اللہ اللہ کی رحمت قدم قدم پر ہمارے شاملِ حال ہوگی۔ ورنہ یہ سارے اقدام وقتی ہیں، یہ پائیدار قطعی نہیں ہو سکتے۔ پائیدار حل یہی ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخلص بن کر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنے کو اپنی پہلی ترجیح بنا لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

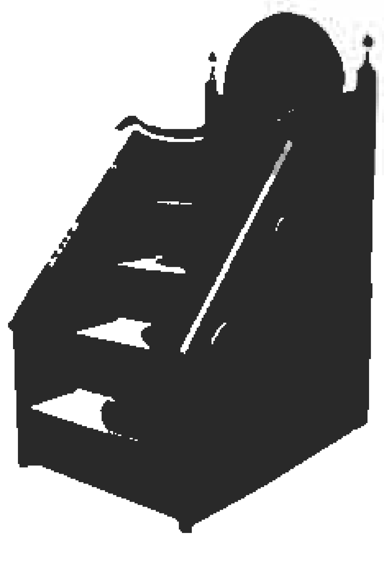

تحفظ کا یقینی راستہ اور ناکام سہارے

سُورۃُ العصر اور سُورۃُ الھُمَزۃ کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 24 فروری 2017ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب: ابو ابراھیم

محترم قارئین! گزشتہ دو شماروں میں ہم نے سورۃ العصر کا مطالعہ کیا لیکن یہ سورت اتنی جامع ہے اور اس میں انسانیت اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے جو پیغام ہے وہ اتنا اہم ہے کہ اس پر جتنا بھی غور وفکر کیا جائے کم ہے۔ جس قدر بھی انسان اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کرے پھر بھی دل میں یہ خلش باقی رہ جاتی ہے کہ ”حق تو یہ ہے حق ادا نہ ہوا“، جتنا اس پر غور وغوض کریں اتنا ہی تشنگی کا احساس برقرار رہتا ہے۔ اس لیے بھی کہ یہ سورت پورے قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ ہے، قرآن کتاب ہدایت ہے اور ہدایت کی ہمیں بہت ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ ہوا، پانی اور خوراک سے بھی زیادہ ضرورت ہمیں ہدایت کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا احساس ہی نہیں ہے اور ”الھدیٰ“ کی قدر ومنزلت ہماری نگاہوں میں ہے ہی نہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بس ایک مقدس کتاب ہے، رکھ دو سنبھال کر اونچی جگہ پر۔ حالانکہ یہ اللہ کا نوعِ انسانی کے نام آخری اور تکمیل شدہ پیغام ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ پیغام دیا گیا جب انہیں زمین پر اُتارا گیا۔ وہ نبی تھے اور ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں نبی اور رسول آتے رہے اور اس پیغام کی تجدید اور احیا ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ آئے اور ان کے ذریعے اللہ کا آخری اور تکمیلی پیغام نوعِ انسانی کے لیے بھیجا گیا۔ گویا قرآن اس ہدایت کا فائنل ایڈیشن ہے جس میں اب کسی ترمیم اور اضافے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت طے کر دیا تھا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا کیونکہ ہدایت مکمل ہو چکی۔

چنانچہ اس کامل اور جامع ترین آسمانی ہدایت کی تشریح اور عملی تفسیر کے لیے ایک ایسے کامل اور جامع صفات کے حامل انسان کو بھیجا گیا جو تمام جہانوں کے لیے رحمۃ للعالمین بھی ہیں۔ جنہوں نے قرآن کے مطابق عمل کر کے ہمارے لیے عملی راہنمائی بھی مہیا کر دی۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ”(اے مسلمانو!) تمہارے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے“(الاحزاب:21)

اس تکمیل شدہ اور جامع ہدایت کو محفوظ بھی کر لیا گیا۔ چنانچہ ختم نبوت کی ایک سب سے بڑی دلیل قرآن کا محفوظ ہونا بھی ہے۔ اگر کسی اور نبی نے بھی آنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس قرآن کی حفاظت کا ذمہ نہ لیتا۔ جیسے سابقہ کتابوں کا نہیں لیا تھا۔ لہٰذا اب اس کامل ترین اور جامع ترین کتاب ہدایت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے اس سے راہنمائی حاصل کرے تاکہ وہ دنیا وآخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔ پھر اس نصاب ہدایت کو مختصر ترین الفاظ میں سورۃ العصر کی شکل میں بھی ہمیں عطا کر دیا تاکہ ہدایت کا خلاصہ ہر وقت ہمارے ذہنوں میں موجود رہے اور ہم اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اسی ہدایت کے تابع کر کے خود کو اصل کامیابی کے راستے پر ڈال سکیں۔

﴿وَالْعَصْرِ ①﴾ ”زمانے کی قسم ہے۔“

قرآن کا یہ چونکا دینے والا انداز انسان کو متوجہ کرنے کے لیے ہے۔

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ②﴾ ”یقیناً انسان خسارے میں ہے۔“

بین السطور یہ پیغام ہے کہ دنیا میں انسان کو امتحان کے طور پر بھیجا گیا، موج مستی کے لیے نہیں۔ یہ انسان کی زندگی کا ایک امتحانی وقفہ ہے جسے انسان اصل زندگی سمجھ بیٹھا ہے۔ حالانکہ اصل اور دائمی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور اس دائمی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اس امتحان کے نتیجہ پر ہے: ﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال کرنے والا ہے۔“(الملک:2)

امتحان میں لوگ کامیاب بھی ہوتے ہیں اور ناکام بھی ہوتے ہیں لیکن اس امتحان میں اللہ کو معلوم ہے کہ انسان نے کیا گل کھلانے ہیں۔ اس کا علم تو کامل ہے۔ لہٰذا بتایا جا رہا ہے کہ نوعِ انسانی کی عظیم ترین اکثریت بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونے والی ہے۔ ہاں البتہ:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③﴾ ”سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“

اس بڑے خسارے سے بچنے کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ جو اس راستے کے یہ چار سنگ میل عبور کر جائے گا وہ اس دائمی نقصان اور عذاب جہنم سے بچ جائے گا۔ انسان کی نفسیات میں یہ چیز شامل ہے کہ وہ گھاٹے اور خسارے سے بچنا چاہتا ہے اور کامیابیاں حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ اگر انسان عقل

سے کام لے اور غور وفکر کرے تو اس دائمی خسارے سے بھی بچ سکتا ہے۔انسان سوچے کہ یہ کائنات کس نے بنائی ہے؟ کیا انسان اپنی مرضی سے اس دنیا میں آیا ہے اور کیا اپنی مرضی سے جائے گا؟ آخر کوئی تو ہے جس نے یہ سارا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔پھر اس نے دنیا کی اس زندگی میں انسان کے لیے کچھ تقاضے اور ضابطے بھی رکھے ہوں گے۔ ہم اپنی مرضی سے فلسفۂ حیات خود نہیں بنا سکتے۔ہمیں اصل میں اسی آسمانی ہدایت کی ضرورت ہے اور ہر دور میں نبی اور رسول وہی ہدایت لے کر آتے رہے ہیں جن کے کردار، اخلاق، آداب، صدق، امانت، رحمدلی اور غریب پروری کا ہر دور میں لوہا مانا گیا کہ ہاں یہ ہیں نوع انسانی کے کامل انسان جن پر انسان رشک کرتا ہے۔انسان تک ہدایت پہنچانے کے بعد پھر اس کو دنیا میں اختیار دے دیا گیا۔

﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳﴾ ’’اب چاہے تو وہ شکر گزار بن کر رہے چاہے ناشکرا ہو کر۔‘‘ (الدھر:3)

اگر اللہ نے جبراً انسان کو رائے راست پر لانا ہوتا تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔تمام انسان نیک اور متقی پیدا کرتا۔لیکن جبراً راہ راست پر لایا جاتا تو پھر نہ تو انسان کے لیے آخرت میں کوئی انعام ہوتا اور نہ کوئی سزا۔ لہٰذا یہ انسان کی آزمائش ہے کہ وہ اپنے لیے کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔

موت آتے ہی یہ اختیار انسان سے واپس لے لیا جائے گا۔جیسے دنیا میں آنا اس کے اختیار میں نہیں تھا ایسے ہی موت کے بعد بھی اس کا کچھ بھی اختیار نہیں ہوگا۔یہ وہ حقائق ہیں جو انسان کو سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ واقعی سب کچھ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور حقیقت وہی ہے جو رسولوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔دل گواہی دیتا ہے۔مگر ابلیس نے جس طرح ہمیں اندھا بنا رکھا ہے اور دنیا کی رنگینیوں میں گم کر دیا ہے ہم اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں اور بدقسمتی سے جو اللہ کو ماننے والے اور رسولوں کو ماننے والے تھے وہی (یہود) آج اس ابلیسی تہذیب کے سب سے بڑے کسٹوڈین بن چکے ہیں اور اس کو پھیلا رہے ہیں۔یہ ابلیس کے آلۂ کار کیوں بن گئے؟ صرف اس لیے کہ جیسے ابلیس نے تکبر اور غرور کیا تھا کہ میں تو آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں پھر آدم کو فضیلت کیوں دی گئی۔اسی وجہ سے اُس نے آدم کو سجدے سے انکار کیا۔وہی کردار یہود نے بھی اللہ کے آخری رسول ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر کے ادا کیا۔قرآن کہتا ہے کہ یہ حضور ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۘ﴾ (البقرہ:146) ’’جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔‘‘

انتظار بھی کر رہے تھے کہ آخری نبی آئیں گے۔لیکن جب آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو وہ بگڑ گئے کہ آخری نبی ہم میں سے کیوں نہ آیا؟ کیونکہ پچھلے دو ہزار سال سے تمام نبی بنی اسرائیل سے ہی ہوئے ہیں۔وہ سمجھ رہے تھے کہ آخری نبی بھی ہم میں سے ہی ہوں گے۔ لیکن آپ ﷺ کی بعثت بنی اسماعیل میں سے ہوئی جنہیں یہود اُمی (ان پڑھ) کہہ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ لیکن اللہ نے لفظ اُمی کو ہی شرف بخشا تو یہود تکبر اور غرور میں اڑ گئے کہ ہم ان کو اگر رسول مان لیں گے تو جن کا مذاق اُڑایا کرتے تھے ان کے ہی نیچے لگ جائیں گے۔لہٰذا وہی ابلیسی کردار کی جھلک یہاں بھی نظر آتی ہے اور تب سے یہود ابلیس کے ہی آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور اسی کے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں۔اسی کا نام دجالی تہذیب ہے۔ آج ان کے پاس قوت بھی ہے اور اختیار بھی۔شیطان کے پاس قوت واختیار نہیں تھا۔وہ صرف وسوسہ اندازی کر سکتا ہے، ورغلا سکتا ہے، جھوٹی تمناؤں میں اُلجھا سکتا ہے، سبز باغ دکھا سکتا ہے مگر کسی کو زبردستی دین سے نہیں نکال سکتا۔مگر یہود آج اس مشن میں ہیں کہ ہم قوت کے زور پر مسلمانوں کو دجالی تہذیب کی طرف لائیں گے۔چنانچہ

پریس ریلیز 03 مارچ 2017ء

فاٹا کو پاکستان کا حصہ قرار دے کر خیبر پختونخوا سے اس کے انضمام کا اعلان قابل تحسین ہے

کرکٹ کے میچ کے انعقاد سے امن نہیں آئے گا بلکہ امن سے کرکٹ آئے گی اور امن کے لیے سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے

حافظ عاکف سعید

فاٹا کو پاکستان کا حصہ قرار دے کر خیبر پختونخوا سے اس کے انضمام کا اعلان قابل تحسین ہے۔یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔انہوں نے کہا کہ انضمام کی تکمیل کے لیے پانچ سال کا طویل عرصہ لگے گا، یہ بات ناقابل فہم ہے۔انہوں نے کہا کہ کسی حکومت کا ریاست کے ایک حصہ کو آزاد علاقہ کہنا مضحکہ خیز ہے۔ایک ملک کے شہریوں کے لیے ایک جیسے ہی قوانین ہونے چاہییں۔انگریز نے اس علاقے میں F.C.R کے نام سے ظالمانہ قوانین کا نفاذ اس لیے کیا ہوا تھا کہ افغانستان میں شدید جانی ومالی نقصان اٹھانے کی وجہ سے وہ افغانوں اور پختونوں کے خلاف شدید انتقامی جذبات رکھتا تھا۔امیر تنظیم نے مطالبہ کیا کہ فاٹا کو پختونخوا کا حصہ بنانے کا عمل تیزی سے مکمل کیا جائے تاکہ فاٹا کے عوام بھی اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کر سکیں۔

لاہور میں PSL کے فائنل کے انعقاد پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ بالکل درست کہا گیا ہے کہ اتنے زیادہ سکیورٹی انتظامات میں، جن میں پولیس اور رینجرز کے ساتھ فوج کو بھی شامل کیا گیا ہے، عراق اور شام جیسے ممالک میں بھی کرکٹ میچ کروایا جا سکتا ہے۔انہوں نے سوال کیا کہ کیا دنیا کے سامنے یہ بات نہیں آئے گی کہ پاکستان اتنا خطرناک ملک ہے جہاں چند گھنٹوں کے کرکٹ میچ کے لیے سارا نظام تلپٹ کرنا پڑا ہے۔انہوں نے کہا کہ عوام بھی اس حوالے سے دیوانگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ایک کرکٹ کے میچ کے انعقاد پر یوں خوشیاں منائی جا رہی ہیں جیسے کشمیر فتح کر لیا ہو۔انہوں نے کہا کہ کرکٹ سے امن نہیں آئے گا بلکہ امن سے کرکٹ آئے گی اور امن کے لیے سنجیدہ کوششوں کی ضرورت ہے۔ہم بارہا امن کے حصول کے لیے لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی)

کوئی نام تو لے جہاد کا اور قتال کا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اس قرآن کا نیا مفہوم تلاش کرو۔ ساری ایسی آیات کھرچ دو جن میں یہود کے بارے میں ذکر ہے اور ہمارے حکمران لگے ہوئے ہیں اسی کام کو انجام دینے میں۔

بہرحال انسان خسارے سے بچنا چاہتا ہے مگر ابلیس اور اس کے پیروکار دجالی تہذیب کا جال پھیلا کر اسی خسارے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جبکہ قرآن نوعِ انسانی کے لیے کتابِ ہدایت ہے اور ایک ایسا لائحہ عمل دیتا ہے جس پر چل کر اس خسارے سے بچا جا سکتا ہے۔ وہ لائحہ عمل صراطِ مستقیم ہے جس کا آغاز ایمان سے ہو رہا ہے۔ جب حقیقی ایمان حاصل ہوگا تو انسان کی سوچ خود بخود یہ بن جائے گی کہ میں گناہوں سے بچوں، حرام سے بچوں اور جو فرائض اور واجبات میرے ذمہ ہیں ان کو ادا کروں تاکہ میں عملی زندگی میں اللہ کا سچا بندہ بن جاؤں۔

خسارے سے بچنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خود اللہ کا نیک بندہ بننے کے بعد دوسروں کو بھی نیکی کی دعوت دے اور برائیوں سے روکے۔ یہ اس امت کے فرد کی حیثیت سے اس کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس امت کو ایک خاص شرف اسی وجہ سے حاصل ہے کہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم حکم کرتے ہو نیکی کا اور تم روکتے ہو بدی سے'' (آل عمران: 110)

یعنی اس اُمت کے ہر فرد پر ایک اضافی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی برائیوں سے روکے۔ اب کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ لوگوں کو ہدایت کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ ہدایت کی جتنی ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ اس لیے کہ شیطانیت نے فکری لحاظ سے بھی اور عملی انداز سے بھی جو رنگ اب نکالے ہیں وہ تو پہلے تھے ہی نہیں۔ اس وقت انسان دجالی تہذیب کی کرشمہ سازیوں کے نتیجے میں اپنے آپ کو بالکل حیوانی سطح پر لے آیا ہے اور اسی کو اپنا عروج سمجھ رہا ہے۔ پوری انسانی تاریخ میں پہلے کبھی انسان ایسی پستیوں میں مبتلا نہیں ہوا تھا جتنا آج ہے۔ چنانچہ ہدایت کی سب سے زیادہ ضرورت آج ہے اور اب نبی بھی کوئی نہیں آئے گا، ہدایت مکمل ہو چکی ہے اور اس ہدایت کو دوسروں تک پہنچانا اُمتِ مسلمہ کا فرض ہے۔

ہم اس پر بہت فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم بہترین امت ہیں۔ لیکن جس ذمہ داری کی بنیاد پر قرآن نے ہمیں بہترین اُمت قرار دیا اس فرض کو ادا کرنے کے بارے میں ہم سوچتے بھی نہیں۔ حالانکہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے یہ لوگوں کو سمجھانا مسلمانوں کا کام ہے۔ اس کا آغاز ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین سے ہوگا اور اس کی اعلیٰ ترین شکل یہ ہے کہ ایک اسلامی نمونے کی ریاست ہو جس میں اسلامی نظام کی فیوض و برکات کو دنیا دیکھے۔ جیسا کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں کروڑوں لوگ اس نظام کی برکات دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن آج بدقسمتی سے ضرورت اس بات کی ہے کہ خود مسلمانوں تک ہی اللہ کا پیغام پہنچایا جائے۔ انہیں منکرات سے روکا جائے۔ پوری دنیا میں 58 اسلامی ممالک ہیں لیکن اُمت پر جو فرض عائد ہوتا ہے وہ صرف افغان طالبان نے ادا کر کے دکھایا۔ جبکہ ہماری حالت یہ ہے کہ اس فرض کو ادا کیے بغیر ہی سمجھتے ہیں کہ ہم بہترین اُمت ہیں جبکہ 70 سال میں اللہ کا دین ہم قائم نہیں کر سکے بلکہ اُلٹا رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔

سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کا دین قائم ہو۔ اس راستے میں مشکلات آئیں گی، پریشانیاں آئیں گی، رکاوٹیں کھڑی ہوں گی مگر جو اللہ کے وفادار بندے ہوں گے وہ صبر، تحمل اور برداشت سے کام لیں گے۔ جیسے افغان طالبان نے کر کے دکھایا۔ چنانچہ دائمی خسارے سے بچنے کے لیے یہی وہ چار نکاتی لائحہ عمل ہے جو مختصر ترین الفاظ میں سورۃ العصر میں بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی انداز سے زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سورۃ الھمزہ

جہاں سورۃ العصر میں انسانیت کو معراج کا راستہ دکھایا گیا ہے وہیں پر سورۃ الھمزہ میں اس صراطِ مستقیم کی بجائے دوسرے راستے پر چلنے والوں کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے کہ وہ ضلالت اور گمراہی کی کن پستیوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اس کے بدترین انجام سے بے خبر خود کو کس طرح مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ①﴾ ''بڑی خرابی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو لوگوں کے عیب چنتا رہتا ہے اور طعنے دیتا رہتا ہے۔''

عیب چینی کرنا، کسی کے کمزور پوائنٹس کی کھوج میں لگے رہنا گھٹیا ذہنیت ہوتی ہے۔ یعنی اصل میں ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم اپنی کمزوریوں اور اپنی خامیوں پر نگاہ رکھیں۔ لیکن شیطان جو پٹی پڑھاتا ہے وہ ہمیں اپنی طرف توجہ نہیں کرنے دیتا۔ صرف دوسروں کے عیب تلاش کرنا اور سراغ رسانی کرنا ایک فن بن جاتا ہے۔ حق کو دبانے کے لیے باطل قوتوں کا یہ وطیرہ رہا ہے اور سردارانِ قریش کی ذہنیت بھی یہی تھی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں کائنات کی وہ عظیم ہستی تھی جس کا اخلاق و کردار پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ④﴾ ''اور آپؐ یقیناً اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔'' (القلم: 4)

یعنی اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہیں۔ حتیٰ کہ اسی معاشرے نے ان کو الصادق والامین کا خطاب دیا ہوا ہے۔ لیکن صرف حق کی مخالفت میں سردارانِ قریش اپنی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

ویل کا لفظ عربی میں تباہی اور بربادی کے لیے بولا جاتا ہے جبکہ احادیث میں جہنم کی ایک سخت گھاٹی کا نام بھی ویل بیان ہوا ہے۔ گویا ایسی گھٹیا ذہنیت بالآخر دردناک اور تباہ کن انجام کا باعث بنتی ہے۔

﴿نِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ②﴾ ''جو مال جمع کرتا رہا اور اس کو گنتا رہا۔''

﴿يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ③﴾ ''وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔''

سرمایہ دارانہ ذہنیت میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان کا کردار و عمل جتنا بھی گر جائے، وہ معاشرے میں جتنا بھی ظلم و ستم کر لے وہ سمجھتا ہے کہ سرمائے سے اسے تحفظ مل جائے گا اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ اسی وجہ سے اس کی نظر ہر وقت سرمائے پر ہوتی ہے، اس کے اعداد و شمار اور حساب کتاب میں لگے رہنا اور سرمائے میں تیزی سے اضافے کی سکیمیں سوچتے رہنا اس کی عادت بن جاتی ہے اور سرمائے کو بڑھتا ہوا دیکھ کر اسے بڑی تسلی و تشفی ہوتی ہے۔ تو اس کے پیچھے یہی سوچ کارفرما ہوتی ہے کہ ابھی اس کا کچھ نہیں بگڑنے والا۔ حتیٰ کہ وہ موت کو بھی بھولا رہتا ہے۔

﴿كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ④﴾ ''ہرگز نہیں، وہ تو یقیناً جھونک دیا جائے گا حطمہ میں۔''

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ⑤﴾ ''اور کیا تم جانتے ہو وہ حطمہ کیا ہے؟''

﴿نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ⑥﴾ ''وہ آگ ہے اللہ کی بھڑکائی ہوئی۔''

حطمہ کا لفظی ترجمہ چورا چورا کر دینے والی شے ہے۔ جو بالکل توڑ پھوڑ کے رکھ دے۔ یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ سرمایہ دار ایک طرف اپنے مال کو جوڑتا رہتا ہے اور دوسری طرف اپنے ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ، کرپشن، ناانصافی، بدکرداری اور حق کے خلاف جھوٹے (باقی صفحہ 13 پر)

فقر پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق 12

67	اندرونِ تست سیلِ بے پناہ	پیش او کوہِ گراں مانند کاہ
	تیرے اندر تو ایک بے پناہ طوفان ہے	جس کے سامنے ایک بڑا پہاڑ بھی تنکے کی مانند ہے
68	سیل را تمکیں ز ناآسودن است	یک نفس آسودنش نابودن است
	سیلاب میں زور نہ تھمنے کی وجہ سے ہے	وہ ایک لمحہ کے لیے بھی رک جائے تو ختم ہوجائے
69	من نہ مُلّا، نے فقیہ نکتہ ور	نے مرا از فقر و درویشی خبر
	میں نہ تو مُلّا ہوں نہ کوئی نکتہ داں فقیہ	نہ مجھے فقر اور درویشی کی کچھ خبر ہے
70	در رہِ دیں تیز بین و سُست گام	پختۂ من خام و کارم ناتمام
	دین کے راستے میں نگاہ تیز اور قدم سست ہیں	میری پختگی خام ہے اور میرا کام نامکمل ہے
71	تا دلِ پُر اضطرابم دادہ اند	یک گرہ از صد گرہ بکشادہ اند
	مجھے پُر اضطراب دِل دیا گیا ہے	سینکڑوں گرہوں میں سے ایک گرہ کھول دی گئی ہے
72	’از تب و تابم نصیبِ خود بگیر	بعد ازیں ناید چو من مردِ فقیر‘
	تو بھی میری تب و تاب سے اپنا حصہ لے لے	اس کے بعد پھر مجھ جیسا مردِ فقیر نہیں آئے گا؟

67۔ اے مسلمان نوجوان___ تیرے اندر عشق رسول ﷺ کے جذبے کا ایک طوفان ہے مسلمان عشق مصطفیٰ ﷺ کے جذبے سے سرشار ہو کر جب میدانِ عمل میں نکلتا ہے تو اس کے سامنے قیصر و کسریٰ یا کوئی سپر پاور بھی ٹھہر نہیں سکتی یہ جذبہ تو پہاڑوں کو بھی تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے اور اپنی راہ بنا کر کامیاب ہوجاتا ہے۔ بقولِ اقبال

مغرب کی وادیوں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

68۔ مسلمان کی زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ مسلمان کے جذبات ایک سیلاب کی کی مانند ہوتے ہیں اور سیلاب کی شان اس کے نہ رُکنے اور مسلسل حرکت کرنے اور آگے بڑھنے میں ہے ٹھہر گیا تو وہ سیلاب نہ رہا پانی کا جوہڑ بن گیا جو بدبودار ہوجاتا ہے۔ دینی جذبات کا سیلاب بھی پانی کے سیلاب کی طرح آگے بڑھتا چلا جاتا ہے جو تھم جانے کا نام نہیں لیتا۔

69۔ علامہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نہ مُلّا ہوں (روایتی عالم) اور نہ نکتہ ور فقیہ (نئے نئے نکتے نکالنے والا عالم اور مناظر) اور میری عملی زندگی میرے افکار کے لحاظ سے اتنی اعلیٰ نہیں ہے اور مجھے درویشی اور فقر کی باریکیوں کا بھی اتنا علم نہیں جتنا اونچے درجے کے صوفیوں کو ہوسکتا ہے۔

70۔ میں دین پر عمل کے اعتبار سے تیز نگاہ ہوں لیکن سُست رَو ہوں میری نظر اور فکر بہت بلند ہے اور حقیقت شناس ہے مگر (مفکّر اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں والے انسان کی اکثریت کی طرح) میرا عمل اعلیٰ معیار کا نہیں ہے۔

71۔ اللہ تعالیٰ نے بہرحال مجھے صحیح فکر اور پُر اضطراب دل دیا ہے جس کی روشنی میں دورِ غلامی میں مغربی صہیونی سامراج کی سازشوں کو خوب بے نقاب کر رہا ہوں میں مغرب کی وادیوں میں سیکولرازم اور لبرل ازم کی آگ میں جلتے انسانوں کے درمیان رہا ہوں اور اس آگ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ڈال کر زندہ نکالا ہے میں نے مغرب کی ابلیسی کارروائیوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منصوبوں (گرہوں) میں سے کچھ منصوبوں کا راز فاش کیا ہے۔

72۔ اے مسلمان نوجوان___ آگے بڑھ اور میری کوششوں سے عالمی مغربی صہیونی اسلام دشمن استعمار کے ہتھکنڈوں میں جن چند چالوں کو میں نے اپنے کلام (اس نظم فقر) میں واضح کیا آگے بڑھ کر تو بھی اپنا حصہ ڈال لے شاید میرے بعد (جلد) کوئی میرے جیسا مردِ فقیر بھی نہ آئے۔ بس میرے کلام کو ہی غنیمت سمجھو۔ میری بے عملی کو بہانہ بنا کر اپنے دینی تقاضے فراموش کر نہ بیٹھو۔ اپنے خالق و مالک اور پیغمبر اسلام اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ سے بے وفائی کے مرتکب نہ ہوجاؤ۔ یہ حقیقت ہے کہ باشعور لوگ اچھی بات اور دانائی کی بات کوئی بھی کہے اس سے اخذ کر لیتے ہیں۔ حکمت کی بات بندۂ مؤمن کی میراث ہے جہاں سے ملے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہوتا ہے وہ ضرور اُسے اخذ کر کے پلّے باندھ لیتا ہے۔

خدایا آرزو مری یہی ہے
میرا نورِ بصیرت عام کر دے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰؓ، سوزِ صدیقؓ دے

پنجاب حکومت کی جھوٹی انا کی وجہ سے قیمتی جانیں ضائع ہوئیں، اگر وہ پہلے ہی رینجرز کی تعیناتی پر راضی ہو جاتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا،
حافظ سعید کے خلاف بیان دے کر ہمارے وزیر دفاع نے گویا پاکستان کے نہیں بلکہ بھارت کے وزیر دفاع کا رول ادا کیا ہے: ایوب بیگ مرزا

دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے سماجی اور معاشرتی سطح پر ایک بڑے انقلاب کی ضرورت ہے، جب تک معاشرتی ناہمواریوں کو ختم نہیں کیا جائے گا ہمارے ملک میں خودکش بمبار اور سہولت کار پیدا ہوتے رہیں گے اور دہشت گردی کبھی ختم نہیں ہوگی: بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر غلام مرتضیٰ

دہشت گردی کی نئی لہر... کیا ہماری غلطیوں کا نتیجہ ہے کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام "زمانہ گواہ ہے" میں نامور دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: آصف حمید

سوال: حکومتی و عسکری ذرائع کا کہنا تھا کہ ہم نے دہشت گردی کی کمر توڑ دی ہے اور واقعی کچھ عرصہ سے دہشت گردی کے واقعات بہت کم ہو گئے تھے۔ کیا یہ ایک شخصیت کا خوف تھا کہ جس کے جانے کے بعد دہشت گردی دوبارہ شروع ہوگئی یا وہ دعوے بے بنیاد تھے؟

ایوب بیگ مرزا: فرد واحد سے غالباً آپ کی مراد جنرل راحیل شریف ہیں۔ یقیناً کچھ شخصیات کے اپنے اثرات ہوتے ہیں لیکن خاص طور پر فوج جیسے ادارے میں وہ اتنے گہرے نہیں ہوتے۔ وہ محض ایک ادارے کے ہیڈ کے طور پر کام کر رہے تھے۔ جہاں تک سیاسی حکومتوں کا تعلق ہے تو وہ تو پہلے ہی نیشنل ایکشن پلان کے حوالے سے سنجیدہ نہیں تھیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہاں ایک فرد واحد کا خوف تھا جس کی وجہ سے سیاسی حکومتیں بھی کچھ نہ کچھ ڈنگ ٹپاؤ والا کام کر رہی تھیں لیکن ان کے جانے کے بعد انہوں نے بھی یہ سمجھا کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یقینی طور پر اس حوالے سے سیاسی حکومتیں ڈھیلی پڑی ہیں اور ان سے غفلت کا مظاہرہ ہوا ہے۔ خاص طور پر لاہور کا جو واقعہ ہوا ہے جس میں پولیس کے دو اعلیٰ افسران بھی شہید ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ پنجاب حکومت کی جھوٹی انا کی وجہ سے لوگوں کی قیمتی جانیں بھینٹ چڑھ گئیں۔ عسکری قیادت ایک عرصے سے پنجاب حکومت کو رینجرز کی تعیناتی کے لیے مجبور کر رہی تھی لیکن پنجاب حکومت اسے اپنے لیے بے عزتی کا معاملہ سمجھ رہی تھی لیکن حالات نے بتایا کہ ان کا یہ زعم غلط تھا۔ اس سے پہلے بھی پنجاب میں ایسے واقعات ہوئے تو انہیں فوج کی ہی مدد لینی پڑی تب جا کر معاملات درست ہوئے۔ لیکن وہ کسی صورت اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ رینجرز یہاں آئیں۔ لیکن بالآخر اتنی جانوں کے ضیاع کے بعد وہ پنجاب میں رینجرز کو تعینات کرنے پر راضی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ کام پہلے ہو جاتا تو اتنی جانیں ضائع نہ ہوتیں۔ اس کے علاوہ ہمارے وزیراعظم نے رائیونڈ کو پرائم منسٹر ہاؤس کا درجہ دے دیا ہوا ہے۔ اسی لیے اس کی تزئین و آرائش گورنمنٹ کے پیسوں سے کی جاتی ہے اور وہاں ان کے اور ان کے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کی سیکورٹی پر 3500 کے لگ بھگ اہلکار ڈیوٹی دیتے ہیں۔ ظاہر ہے جب ساری

مرتب: محمد رفیق چودھری

توجہ اس طرف ہوگی تو پھر دہشت گرد تو فائدہ اٹھائیں گے ہی۔ اس پرائم منسٹر ہاؤس کی چار دیواری بنانے پر 25 کروڑ روپے لگے ہیں۔

سوال: جس وقت پاکستان میں عسکری قیادت تبدیل ہوئی اسی دوران ٹرمپ کے آنے سے عالمی سین بھی تبدیل ہو گیا۔ کیا دہشت گردی کے حالیہ واقعات پاکستان میں دوبارہ بدامنی پھیلانے کی سازش تو نہیں۔ کیونکہ پاکستان کے حوالے سے ٹرمپ کے عزائم روز اول سے عیاں ہیں؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اصل میں بات مختلف انداز میں سوچنے کی ہے۔ جب راحیل شریف جا رہے تھے تو اس کے ساتھ ہی فوجی عدالتوں کی مدت بھی ختم ہو گئی اور اس کے بعد سے ان کی توسیع کے لیے اسمبلی سے بل پاس کرانے میں حکومت کو کافی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ جب ضرب عضب آپریشن شروع کیا گیا تھا تو اس وقت بھی ہم نے یہی کہا تھا کہ طاقت کا استعمال کسی مسئلے کا 100 فیصد حل نہیں ہوتا اور یہ مسلمہ حقیقت بھی ہے کہ دہشت گردی جیسے کیسز میں کم از کم 20 فیصد اثر باقی رہتا ہے اور جو 80 فیصد مسئلہ حل ہوا بھی ہوتا ہے اس کے نتائج کو برقرار رکھنے کے لیے فریقین میں مذاکرات کے ذریعے کوئی Patch-up کرانا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ متاثرہ علاقوں میں تعمیر و ترقی کے کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن یہاں اس معاملے میں سیاسی حکومت کا کردار سامنے نہیں آیا۔ صرف طاقت سے مکمل طور پر دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ راحیل شریف کے دور میں بھی بلوچستان میں دو تین بہت بڑے واقعات ہوئے تھے۔ البتہ فاٹا کے علاقے میں ضرب عضب کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چاروں صوبوں میں دہشت گردی کی اقسام الگ الگ ہیں۔ خیبر پختونخوا اور کراچی میں اگرچہ آپریشن کے کچھ نتائج نکلے لیکن بلوچستان میں جہاں پراکسی وار چل رہی تھی وہاں ہزارہ اور مقامی، شیعہ اور سنی تنازعہ اور بلوچستان لبریشن آرمی کا مسئلہ بدستور قائم رہا جس کی وجہ سے وہاں وارداتیں ہوتی رہیں اور بسوں سے اُتار اُتار کر لوگوں کو قتل کیا جاتا رہا۔ تحقیقات کے مطابق حالیہ واقعات میں ہمارے پڑوسی ممالک کی انوالومنٹ زیادہ نظر آ رہی ہے۔ لہٰذا ہمارے ہاں دہشت گردی کی مختلف وجوہات ہیں۔

سوال: کیا ہم اسے اپنے فوجی اداروں اور انتظامیہ کی ناکامی کہیں گے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: ناکامی آپ اس لیے نہیں کہہ سکتے کیونکہ ایسے واقعات اِکا دُکا ہوتے رہتے ہیں۔ البتہ آپ اس کو سیکورٹی لیپس کہہ سکتے ہیں کیونکہ لاہور میں جو واقعہ ہوا اس کے حوالے سے پہلے سے اطلاع تھی۔ جہاں دھماکہ ہوا وہاں احتجاج ہو رہا تھا اس لیے زیادہ جانی نقصان ہوا۔ اسی طرح سیہون میں بھی لوگ زیادہ تعداد میں موجود تھے جبکہ سیکورٹی کے لیے صرف دو پولیس اہلکار تعینات تھے۔

سوال: ہم کہتے ہیں کہ افغانستان سے دہشت گرد آئے تھے۔ کیا باہر کے لوگ مقامی لوگوں کی مدد کے بغیر کامیاب

ہو سکتے ہیں؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مقامی سطح پر ایسے سہولت کار ہوتے ہیں جن کی مدد سے دہشت گردی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہماری سیاسی حکومتوں نے اس معاملے میں کیا کام کیا ہے؟

سوال: مقامی سہولت کار کس وجہ سے بنتے ہیں، غربت کی بنیاد پر، فرقہ واریت کی بنیاد پر یا یہ وہ ہیں جن پر کوئی ظلم ہوا ہوتا ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: ہمارے معاشرے میں طبقاتی فرق وتفاوت اتنا واقع ہو چکا ہے اور عدل وانصاف کا اس قدر فقدان ہے کہ کسی بھی شخص کو exploit کیا جا سکتا ہے۔ معاشرے میں ایک طرف امیر طبقہ امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور دوسری طرف غریب غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ صحت وتعلیم جیسی بنیادی سہولتیں بھی غریب کی پہنچ سے بہت دور ہوگئی ہیں، اس کو کہیں انصاف نہیں ملتا جبکہ یہاں انصاف خریدا جاتا ہے تو ان حالات میں پھر سہولت کار پیدا ہوتے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: بنیادی بات یہ ہے کہ معاشرے میں سماجی انصاف کی ضرورت ہے اور ایسا نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے جس سے یہ بے روزگاری اور غربت ختم ہو سکے۔ پاکستان میں ہسپتالوں کا یہ حال ہے کہ غریب کہتا ہے کہ اس ہسپتال میں اپنا علاج کرانے سے بہتر ہے کہ میں دیوار سے اپنا سر پھوڑ کر مر جاؤں۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: سماجی ومعاشرتی طور پر ایک بڑے انقلاب کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ معاشرتی ناہمواریاں ختم نہیں ہوں گی سہولت کار پیدا ہوتے رہیں گے، باہر سے کوئی بھی آپ کے کسی آدمی کو خرید کر کوئی بھی کام کروا سکتا ہے، بلیک میل کر سکتا ہے۔ مدارس کو خوامخواہ ٹارگٹ کیا جاتا ہے کہ مدارس دہشت گردی کا ذریعہ ہیں حالانکہ مدارس تو اس وقت سے ہیں جب دہشت گردی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اصل میں یہ معاشرتی ناہمواریاں ہیں جو دہشت گردی کا ذریعہ ہیں، ان پر کام ہونا چاہیے۔ اس کام میں ہمارے دانشور حضرات بھی شامل ہوں، سول سوسائٹی اور میڈیا بھی اپنا کردار ادا کرے اور سب سے بڑھ کر یہ سیاسی حکومتوں اور سیاسی لیڈروں کا کام ہے کہ ان معاشرتی ناہمواریوں کو دور کریں تاکہ سماج میں ایک تبدیلی آئے۔ اگر یہ نہیں ہوگا تو یہاں سہولت کار بھی ملیں گے، خودکش بمبار بھی ملیں گے اور دہشت گردی کبھی ختم نہیں ہوگی۔

ایوب بیگ مرزا: اگر ہمارے لیڈر اپنی ذات سے بلند ہو کر سوچیں تو تب یہ کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ انہیں کیا ضرورت ہے یہاں ہسپتال بنانے کی جبکہ ان کا اور ان کے خاندان کا علاج لندن اور امریکہ میں ہوتا ہے، انہیں کیا ضرورت ہے یہاں تعلیم عام کرنے کی جبکہ ان کے بچے باہر کی اعلیٰ یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں۔ یہی معاملہ سکیورٹی کا بھی ہے کہ ان کے نزدیک سکیورٹی صرف اپنی اور اپنے عزیز واقارب کی ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال حال ہی میں سامنے آئی ہے کہ ایک وزیراعلیٰ صاحب کے دور کے رشتہ داروں کو بھی سکیورٹی فراہم کی گئی ہے جبکہ عوام کو انہوں نے دہشت گردوں کے رحم وکرم پر چھوڑ رکھا ہے۔

سوال: دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے جو فوجی عدالتیں قائم کی گئی تھیں ان کا بھی کوئی فائدہ ہوا ہے یا نہیں؟

ایوب بیگ مرزا: فوجی عدالتوں کا قیام خود اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے عدالتی نظام مبنی بر انصاف نہیں ہیں۔ فوجی عدالتوں نے 137 افراد کو سزائے موت سنائی جبکہ عمل درآمد صرف 16 پر ہو سکا اور باقی سب کا کیس لٹکا دیا گیا۔ اس لیے کہ کہیں سے کوئی نہ کوئی سفارش یا کسی کی پہنچ تھی۔ یعنی اگر فوجی عدالتیں قائم کرنے کا ایک انتہائی قدم اٹھایا بھی ہے تو اس کو بھی صحیح طرح پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا گیا۔

سوال: جمعیت الاحرار کون سی جماعت ہے، کیا یہ کوئی نیا نام سننے کو آیا ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اب تو داعش کا نام بھی سننے کو آ رہا ہے اور بھی کچھ گروپس ہیں۔ بہرحال ان کے ڈانڈے جا کر سرحد پار سے ہی ملتے ہیں جہاں سے ان کو امداد ملتی ہے، ان کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ بنیادی طور پر پڑوسی ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات بھی خراب ہیں اور ہماری معاشرتی ناہمواریوں کی وجہ سے ان کو یہاں سے سہولت کار بھی مل جاتے ہیں۔ دونوں طرف سے ہم پر یلغار ہے اور ہم اس وقت ایک راؤنڈ سرکل میں آئے ہوئے ہیں جس کو توڑنے کے لیے کثیر الجہتی کام کرنے پڑیں گے تاکہ یہاں مکمل طور پر امن قائم ہو سکے۔ یہاں میں وضاحت کر دوں کہ اس جمعیت الاحرار کا تعلق عطاء اللہ شاہ بخاری والی جماعت سے ہرگز نہیں ہے۔

سوال: پاکستانی فوج نے ایک بہت بڑا آپریشن سرحد پار جا کر کیا جس کو بڑی تائید بھی ملی لیکن مجھے تو یہ ایک ٹریپ لگتا ہے کہ آپ نے یہ کام کر کے ہمسایہ ممالک کو جواز فراہم کر دیا ہے کہ وہ بھی پاکستان میں اس طرح کی مداخلت کریں؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: شروع میں تو خبر آئی تھی کہ یہ آپریشن افغان حکومت کو اعتماد میں لے کر کیا گیا ہے۔ لیکن اب افغان حکومت کا جو ردعمل آیا ہے اس سے لگتا ہے کہ یہ جلد بازی میں کیا گیا اقدام تھا۔ کیونکہ افغانستان بھی اب اپنی فوج اور توپ خانہ ہماری سرحدوں کے قریب لے آیا ہے۔ اگرچہ وہاں کے نیٹو چیف کو اعتماد میں لیا گیا تھا لیکن اس بمباری سے وہاں کے کچھ افغان بھی مارے گئے تھے اس لیے افغانستان نے اس پر سخت ردعمل ظاہر کیا۔ بہرحال اچھی مثال نہیں ہے کہ اس کو بہانہ بنا کر کوئی یہاں آ جائے۔

سوال: پاکستان میں ڈرون حملے بھی تو افغانستان سے ہی ہوتے ہیں۔ تو کیا وہ مداخلت نہیں ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: لیکن پاکستان نے تسلیم کیا ہے کہ وہ ڈرون حملے پاکستان کی مرضی سے ہوتے رہے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آپریشن ایک بہت رسک والا کام تھا اور ہمیں بہرحال اس کے ری ایکشن کو فیس کرنا پڑے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ پاکستان کے پاس اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ پاکستان کے تقریباً 60 سے 65 ہزار افراد اس دہشت گردی کی جنگ میں شہید ہو چکے ہیں، کئی ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا ہے اور اب جبکہ دہشت گردی پر کسی حد تک قابو پایا لیا گیا تھا تو دوبارہ افغانستان سے ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لہٰذا پاکستان کا یہ ردعمل ناگزیر تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے فرق واقع ہوگا۔ میری اطلاعات کے مطابق اس حوالے سے پاکستان نے افغانستان کو بالکل اعتماد میں نہیں لیا البتہ امریکہ کو اعتماد میں لیا تھا۔ ایک الیکٹرانک میڈیا چینل کی خبر ہے کہ افغانستان کی شکایت پر امریکہ نے جواب دیا کہ پاکستان نے اس حوالے سے ہمیں اعتماد میں لیا تھا۔ جہاں تک کسی دوسرے ملک کا پاکستان میں مداخلت کا سوال ہے تو میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ بھارت کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہاں سے جواب بڑا سخت جائے گا۔ لیکن اصل خطرہ یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ افغانستان میں دہشت گردی کا کوئی بڑا واقعہ ہوا تو افغانستان تو کچھ نہیں کر سکتا البتہ وہاں پر امریکہ قابض ہے اور اس کی دوستی دشمنی سے بڑھ کر بُری ہے، اُس کی طرف سے ردعمل آ سکتا۔ لہٰذا جو آپ نے کہا کہ یہ کوئی ٹریپ لگتا ہے تو یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔

سوال: مولوی فضل اللہ اور اس کے ساتھی دہشت گرد افغانستان میں امریکہ کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب آپ نے امریکہ کو اطلاع کر دی تو اُس نے ان کو حملے کے وقت بچایا نہیں ہوگا؟ امریکہ سے کوئی خیر کی اُمید ہے؟

ایوب بیگ مرزا: یہ بات بھی ذرا سمجھنے کی ہے کہ پاکستان نے افغانستان میں دہشت گردوں کے ٹھکانوں پر تین دن (17 تا 19 فروری) تک حملے کیے ہیں جبکہ جنرل

باجوہ اور نیٹو چیف نکلسن کے درمیان ٹیلی فونک رابطہ 17 فروری کے بعد ہوا۔ یعنی پہلے دن امریکہ کو بھی اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ البتہ افغان سفیر کو حملے سے پہلے بلایا گیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہماری وزارت خارجہ نے سفیر کو نہیں بلایا بلکہ جی ایچ کیو نے بلایا تھا اور پہلی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جی ایچ کیو نے کسی ملک کے سفیر کو طلب کیا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ ان کو دہشت گردوں کی فہرست دی ہے۔ یہاں ایک بات نوٹ کیجیے کہ ہماری وزارت خارجہ کے ترجمان نے پہلی دفعہ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امریکہ کا پاکستان سے شروع سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ افغانستان کی جنگ تم ہمیں جیت کر دو، ہم نہیں جیت سکتے۔ وزارت خارجہ کے ترجمان کے الفاظ یہ ہیں کہ امریکہ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ افغان طالبان سے لڑو اور ہم نے اس سے کہا ہے کہ ہمارے لیے ممکن نہیں۔ تو اب حالات اس طرف جا رہے ہیں۔ لہٰذا آپ نے جو کہا کہ یہ کوئی ٹریپ ہو سکتا ہے تو یہ خارج از امکان نہیں، کیونکہ افغان طالبان سے لڑنے سے پاکستان نے انکار کر دیا تھا جو امریکہ کے لیے chick militants ہیں حالانکہ وہ اپنے ملک کو غیر ملکی قابض فوجوں سے آزادی دلوانا چاہتے ہیں۔ تو معلوم یہی ہو رہا ہے کہ یہ کوئی مواد اکٹھا ہو رہا ہے جو ایک طاقت کر رہی ہے۔ لیکن میں پھر کہوں گا کہ یہ پاکستان کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ایسا قدم اٹھاتا۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے دونوں چیزیں ایک ساتھ ضروری ہیں۔ یعنی سکیورٹی کا لیول بھی بڑھانا چاہیے، سکیورٹی الرٹس کے حوالے سے خفیہ ایجنسیز اور سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ بھی اپنی کارروائی جاری رکھے لیکن ساتھ ساتھ معاشرتی ناہمواریاں بھی دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہیے اور معاشرے کو صحیح سمت میں استوار کرنے کے لیے جو سیاسی عمل ہے وہ بھی ساتھ ساتھ ہونا چاہیے ورنہ بیرونی طاقتیں تو اپنے مفادات کے لیے ہمیں استعمال کرتی رہیں گی، ہمیں بھی تو اپنے مفادات کا خیال رکھنا ہے۔ ہمیں اپنے ملک میں امن و امان قائم کرنا ہے۔ اگر یہاں امن نہیں ہوگا تو ملک کی معیشت بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس ملک کے حالات انتشار تو کیا، خانہ جنگی کی طرف جا رہے ہیں۔ لہٰذا بدامنی کو ختم کرنے کے لیے جتنے بھی عوامل کارآمد ہو سکتے ہیں سب کو بروئے کار لایا جانا چاہیے اور تمام لوگوں کو اس میں اپنا اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔

سوال: ہمارے وزیر دفاع نے جرمنی کے شہر میونخ میں حافظ سعید کے حوالے سے جو بیان دیا ہے اس پر پورے ملک میں احتجاج ہو رہا ہے۔ کیا ان کا یہ بیان انڈیا کے جواز کو سچا ثابت نہیں کر رہا؟

ایوب بیگ مرزا: مجھے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اس حوالے سے گویا خواجہ آصف نے پاکستان کے نہیں بلکہ بھارت کے وزیر دفاع کا رول ادا کیا ہے کیونکہ اس بیان سے انہوں نے بھارت کا دفاع کیا ہے۔ حالانکہ اسی میٹنگ میں جرمن چانسلر نے یہ کہا کہ میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتی ہوں کہ دہشت گردی کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے۔ میں اسلام کو دہشت گرد مذہب نہیں سمجھتی۔ ہاں! دہشت گردوں میں واقعتاً کچھ مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی ہیں۔ لہٰذا میں اس بات کی شدید مخالف ہوں کہ اسلامی دہشت گردی کی اصطلاح استعمال کی جائے۔ دہشت گردی جو بھی کرے گا وہ دہشت گرد ہے۔ وہ یہ کہہ رہی ہیں۔ لیکن ہمارے وزیر دفاع خود مان رہے ہیں۔ میرا تو دل نہیں چاہتا کہ میں انہیں اپنا وزیر دفاع کہوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنی عدالتوں کو تالے لگا دیں کیونکہ آپ کی تمام عدالتوں نے حافظ سعید پر لگے ہوئے چارجز کو غلط قرار دیا تھا۔

سوال: انہوں نے ایسی حرکت کیوں کی؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: اس کی کوئی عقلی توجیہہ پیش نہیں کی جا سکتی۔ خاص طور پر ملک سے باہر جا کر ایسا بیان دینا تو بہت غلط ہے۔

سوال: کیا یہ غداری کے زمرے میں نہیں آتا؟

ایوب بیگ مرزا: یہ غداری کے مترادف ہے اور یہ ہمارے وزیراعظم کی آشیرباد کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ دیکھیے! انصاف کی بات دشمن کے بارے میں بھی کہنی چاہیے۔ جماعۃ الدعوۃ بہت بڑے بڑے رفاہی کام کر رہی ہے۔ 2005ء میں جب زلزلہ آیا تھا تو جماعۃ الدعوۃ کے کارکنوں نے اپنی کمر پر سامان لاد کر ان دور دراز علاقوں میں بھی پہنچایا جہاں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ تو کم از کم انسانیت کے حوالے سے ہی ان کی خدمات کا لحاظ کر لیا جاتا۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: پاکستان کے اندر بھی وہ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں رہے، ان کا صرف جہاد کشمیر کے حوالے سے ایک رول تھا۔

سوال: اس بیان کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: اس کے کوئی عملی نتائج نکلنے والے نہیں ہیں سوائے اس کے کہ ہمیں ان کے طعنے سننے پڑیں گے کہ آپ کے گھر کے آدمی، آپ کی حکومت یہ کہہ رہی ہے۔ درحقیقت بھارت کے حوالے سے ہماری ن لیگی حکومت کا معاملہ بڑا افسوسناک ہے۔ آج تک کلبھوشن یادیو کے بارے میں وزیراعظم کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا، انڈیا میں جتنی دہشت گرد تنظیمیں ہیں آج تک ہماری حکومت نے ان کے بارے میں زبانی بات تک نہیں کی۔ یہ انتہائی افسوسناک بات ہے کہ تعلقات تو ملکی سطح پر ہونے چاہییں اور ملکی مفاد کو مدنظر رکھ کر بنانے چاہییں چہ جائیکہ آپ اپنے ذاتی تعلقات بنانے شروع کر دیں اور انہیں شادیوں پر invite کرنا شروع کر دیں، یہ کوئی حکمرانوں کا طریقہ کار نہیں ہے۔ میں اس بات کے قطعی حق میں نہیں ہوں کہ ہمیں بھارت سے جنگ چھیڑ لینی چاہیے لیکن ہمیں دشمن کو کم از کم دشمن تو سمجھنا چاہیے، اس کا مقابلہ یہ دیکھ کر کرنا چاہیے کہ یہ کیسے اقدام کر رہا ہے اور ہمیں اس کے مقابلے میں کیسے اقدام کرنا چاہیے۔ سفارتی سطح پر مقابلہ کریں، اخلاقی سطح پر اسے بتائیں کہ تم یہ غلط کر رہے ہو۔ لیکن اگر ہم اس کی تائید کرتے رہے تو ملکی مفاد کا دفاع کیسے کر سکیں گے۔ پٹھانکوٹ کے واقعے میں بھی یہی ہوا کہ تحقیقات کے لیے وہاں جانے والی حکومتی ٹیم نے واپس آ کر واضح کہا کہ یہ سب ڈراما تھا جبکہ ہماری حکومت نے ابتدا میں ہی گجرانوالہ میں نامعلوم افراد کے خلاف FIR کاٹ دی۔ ایک دشمن ملک کی اتنی فرمانبرداری چہ معنی وارد؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: میں سمجھتا ہوں کہ ہماری سیاسی اور عسکری قیادت کی پالیسیوں کا ایک پرانا تضاد جو چلا آ رہا ہے، یہ اسی کا برملا اظہار ہے کہ ہماری فوج کی پالیسیز کا رخ ایک طرف ہے اور حکومت کی پالیسی کا رخ بالکل متضاد سمت میں ہے اور دہشت گردی پر قابو پانے میں ناکامی کی ایک وجہ اس ہم آہنگی کا نہ ہونا بھی ہے۔ یہی صورتحال راحیل شریف کے دور میں بھی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ نئے آرمی چیف کے آنے کے بعد اس میں کمی آتی کیونکہ وزیراعظم نے کچھ غور و خوض کے بعد نئے آرمی چیف کو منتخب کیا تھا۔ لیکن اب یہ جو بیان آیا ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ افغان سفارت کار کو جی ایچ کیو میں بلا کر جواب طلبی ہوتی ہے حالانکہ یہ ہماری وزارت خارجہ کا کام ہے۔ لیکن ہمارے پاس کوئی وزیر خارجہ ہی نہیں ہے۔

ایوب بیگ مرزا: جس روز خواجہ آصف نے میونخ میں یہ بیان دیا اس سے اگلے دن آرمی چیف نے ایل او سی پر جا کر یہ بیان دیا کہ ہم کلبھوشن یادیو کو اس کے منطقی انجام تک پہنچائیں گے اور بھارت سن لے کہ ہم سرحدوں کی کسی قسم کی violation برداشت نہیں کریں گے۔ اس سے آپ اندازہ کیجیے کہ طرزِ عمل میں کتنا فرق ہے۔

☆☆☆

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

پاکستان ایک مرتبہ پھر خوفناک دھماکوں کی زد میں ہے۔ ملک کے استحکام، معیشت، امنِ عامہ کو ہلا مارنے کے پسِ پردہ عوامل سمجھنے چنداں مشکل نہیں۔ سی پیک کس کے حلق کی پھانس ہے۔ لاہور میں یکے بعد دیگرے سانحات برپا کر کے پی ایس ایل کرکٹ فائنل کا انعقاد رکوانا کس کی چاہت ہے۔ بحریہ کی مشقوں کا غم کسے آتش زیرِ پا کرتا ہے۔ بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ہم حقیقی دشمن پہچاننے سے گریزاں ہیں۔ بھارت خود بھی کچھ کم نہ تھا۔ مقبوضہ کشمیر میں حالات کی سنگینی کا غصہ بھی وہ ہمی پر اتارنا لازم جانتا ہے۔ اوباما کے بعد ٹرمپ مودی کی پیٹھ ٹھونکنے میں چار ہاتھ آگے ہے۔ تاہم امریکی ایماء پر ڈیڑھ دہائی ہمیں بھارت دشمنی بھلانے کے جو اسباق پکے کروائے گئے ان کی بنا پر بار بار شواہد (کل بھوشن نما) سامنے آنے کے باوجود ہم بھارت یا را کا نام لینے سے قاصر ہیں۔ زد میں پھر وہی شعائرِ اسلام آتے ہیں۔ دو درجن سے زائد سکیورٹی اداروں کے باوجود جب پے در پے ملک ہلا مارا جاتا ہے، افواہوں کا دھواں اور تاریکی پھیلاتا ہے، نفسیاتی فضا خوف سے بھر جاتی ہے، کتا کان لے گیا کی ذہنی کیفیت پیدا کر کے ایک دیوانگی ہوش و خرد کے در پے ہو جاتی ہے۔ پکڑو، مارو، بھون ڈالو والی دیوانے مجمع کی نفسیات (Mob Mentality) جنم لیتی ہے۔ ہوش آنے پر ٹٹولتے ہیں تو کان تو سر پر موجود ہوتے ہیں، تاہم اس دوران کیا کچھ نہیں ہو جاتا۔ یہ دیوانی جنگ اور اس کے جلو میں آنے والے یہ تمام خونچکاں مناظر کچھ بھی تو نیا نہیں۔ بار بار تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ ہمارا اسلامی اور ایٹمی کمبل چرانے کے بہانے ہیں جو ہم پر آئے دن یہ سب مسلط کیا جا رہا ہے۔

ذرا تحمل سے، رک کر، ٹھنڈا پانی پی کر ملکِ عزیز کا حال حشر تو ملاحظہ ہو! حکمران کیا کر رہے ہیں۔ اپوزیشن حالات کی گھمبیرتا میں کتنا ذمہ دارانہ کردار ادا کر رہی ہے؟ عوام کے حصے کیا آ رہا ہے؟ دھماکوں کے علاوہ عوام الناس کا عالم تو یہ ہے کہ برسرِ زمین اگر معاشی بحران انہیں خطِ غربت سے نیچے نہ دھکیلے تو ملاوٹوں بھری ناقص غذا، کیمیائی کھاد، کیمیائی فضلے سے تیار شدہ اناج اور سبزیاں، گدھے اور مردار کا گوشت۔ جن کے ہاتھوں بیمار پڑیں تو جعلی ادویات، ناکافی طبی سہولتیں۔ پروٹوکول کے درمیان پھنس کر ایمبولینسوں میں دم توڑتے مریض، ہسپتال پہنچ جائیں تو ناگزیر جان بچانے والی طبی سہولتوں، مشینوں (وینٹی لیٹرز) کی کمیابی۔ سو عوام کو اپنی ڈال دو تاکہ ایسے وقتوں پر مرے کو مارے شاہ مدار...... حقیقتوں تک رسائی کے لیے فرصت، فراغت عقل کے استعمال کی تاب ہے کہاں......

مشرقِ وسطیٰ کا حلیہ بگاڑنے، تباہ کرنے کے بعد اب خدانخواستہ پاکستان نشانے پر ہے۔ اندھا دھند پکڑ دھکڑ، یہاں مار دیئے، وہاں مار دیئے کا نسخہ سوائے عوام کو فوری نتائج دکھا کر جھوٹی تسلی دینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ 16 سالوں میں ایسے تمام سانحات کا حاصل یہ ہے کہ عوام کے دن تو نہیں بدلے، تحفظ دگرگوں ہے۔ البتہ سانحات کے سدباب کی آڑ میں اسلام بیزاری پیدا کرنے کا ماحول کاشت کر دیا گیا ہے۔ کراچی میں سالہا سال پینٹ شرٹ والے سکول کالج سے پڑھے امنِ عامہ سے کھیلتے رہے۔ راسپانسرڈ ٹارگٹ کلنگ۔ رویہ تجاہلِ عارفانہ کا رہا۔ اس کے نتیجے میں نہ پینٹ شرٹ والے گردن زدنی قرار پائے نہ سکول مطعون کیے گئے۔ یہاں اسلام کو دہشت گردی کا لبادہ اوڑھا کر سیکولر طبقے نے ہمہ گیر پروپیگنڈا جاری رکھا۔ گلوبل ویلج میں پھیلایا اسلاموفوبیا، یہاں بھی رنگ دکھانے لگا۔ اس کا علاج تعلیمی نظام کو بے خدا، بے حیا اور بے لگام بنا کر کیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ ایک اداکار/اینکر تک اپنے پروگرام میں (سلام زندگی ARY) چلا اٹھا کہ بچوں کو کیا پڑھایا جا رہا ہے؟ کیا ہم دہشت گردی کا نظریاتی علاج یوں کریں گے؟!!! (یہ سوال راقمہ کا ہے اینکر کا نہیں)

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی شائع شدہ یہ ریڈر (انگریزی کی استعداد بڑھانے کے لیے) بقول اینکر فیصل قریشی کے تیسری جماعت میں پڑھائی جا رہی ہے۔ Sallys Phone کے نام سے آرٹیکل کا تعارف یہ ہے: یہ ایک دلچسپ مشغلے بارے ہے یعنی رقص۔ جو اعتماد بڑھانے اور صحت مند رہنے کا ایک زبردست طریقہ ہے۔ جو کہانی سنائی گئی اور نیٹ پر بھی اس عنوان سے موجود ہے وہ نوعمر لڑکی کو بوائے فرینڈ بنانے اور عشق عاشقی کی تربیت پر مبنی ہے۔ مزید برآں جو کتب اس پروگرام میں متعارف کروائی گئیں سائنسی حوالے سے...... وہ شرمناک غیر ضروری جنسی تعلیم پر مبنی کتب ہیں۔ نیز اسلامیات کی کتاب میں نبی کریم ﷺ اور ازواجِ مطہراتؓ کے سادہ نام بلا حفظِ مراتب گستاخانہ انداز میں لکھے پڑھائے جا رہے ہیں۔ دھماکوں کی آڑ میں اسلام ڈائنا مائیٹ کر دینا...! یہ؟ نہیں یہ مسائل کا حل نہیں ہے۔ اگر نادیدہ ہاتھ یہ کام پھرتی سے کر رہے ہیں تو یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ خدانخواستہ ہمارے دامن میں آگ انہی اسلام دشمن قوتوں کی لگائی ہوئی تو نہیں؟ واللہ! کوئی ایک دینی فکر رکھنے والی جماعت یا گروہ عوام الناس پر آگ بھڑکا کر جنت پانے کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے حواس مجتمع کیجیے۔ اندھا دھند قتل و غارتگری کسی مسئلے کا حل نہیں۔ خونِ مسلم کی حرمت پورے عالم اسلام میں پامال ہو رہی ہے۔ پسِ پردہ ہاتھ پہچانیے۔

اہلِ دین کی میراث ایک نظر دیکھیے۔ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ قیدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے ہیں۔ سہیل بن عمرو کے لیے حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اس کے سامنے کے دانت نکال دیں تاکہ وہ آپ ﷺ کے خلاف کبھی بات نہ کر سکے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا کہ کہیں اللہ تعالیٰ میرا مثلہ نہ کر دے، اگرچہ میں نبی ہوں۔ یہ منہجِ نبوت ہے...... بدترین دشمن کے مقابل بھی خوفِ خدا دامن گیر ہے۔ ہم من حیث القوم آخرت کو بھلا چکے ہیں۔ مسلمان کے ہاتھ شریعت سے بندھے ہوتے ہیں۔ شریعت، دشمنی میں بھی حد پھلانگنے کی اجازت نہیں دیتی۔ انصاف اور عدل کی علمبرداری ہی کے لیے تو اسلام کا سارا جہاد اور جہد و جہد ہے، اس کا مثلہ کیونکر ممکن ہے۔ (المائدہ:8، النساء:135) قرآن انسانی ضمیر کی گہرائی میں اتر کر فرد اور قوم دونوں کو جذباتی ردعمل دینے، جذبات کی رو میں تنکا بن کر بہہ جانے سے بچاتا ہے۔

18 کروڑ مسلمانانِ پاکستان کے مابین چند واقعات کے

مشکوک مرتکبین کی بنیاد پر اسلام ہی کو ہدف بنا لینا؟ یا یہ سکیورٹی الرٹ جاری کرنا: افغانوں اور پٹھانوں پر نظر رکھی جائے۔(منڈی بہاؤ الدین) یہ نسل آلودہ مبنی بر تعصب و تنفر حکم نامہ کونسی خیر لائے گا؟ باجوڑ ایجنسی کے افراد کو پنجاب میں ہراساں کرنے کی مہم پر ہر مکتبِ فکر نے اظہار تشویش کیا ہے۔اسی طرح راولپنڈی ڈویژن میں فاٹا کے افراد پر کڑی نظر رکھنے کا حکم نامہ بے چینی کا سبب بن رہا ہے۔(ڈان 22، 23 فروری) افغان، پٹھان دونوں مسلمان ہیں۔ان کی نفرت کی تاریخ انگریز کی میراث ہے، کیونکہ ڈیورنڈ لائن کے آر پار انہوں نے ان عالمی طاقتوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔پاکستان میں پٹھان کو ہدف بنا کر ہم نفرت کی بارودی سرنگیں بو دیں گے جن کی پہلے بھی ہم نے کسر نہیں چھوڑی۔ ہوش کے ناخن لیجیے۔ ملک میں جذباتی فضا بنانے کی بجائے اتحاد، اتفاق، شفاف انصاف کو رواج دینے کی ضرورت فوری ہے۔ یہ امنِ عامہ کے لیے فرسٹ ایڈ کا درجہ ہے۔ دھاکوں کے نتیجے میں یہ سب کیا ہے کہ دکانوں سے تاریخ، جہاد، دجال کے عنوانات کے تحت اہم کتابیں اٹھوا دی جائیں؟ اسلام کی ادنیٰ طالبہ علم ہونے کی بنا پر اسلامی تاریخ کے نامور جرنیلوں پر کتابیں لیں۔ پناہ بخدا! بڑے بڑے پاکیزہ نام محمد بن قاسمؒ اور طارق بن زیادؒ جیسے آج کے فلمی کردار بنا کر مسخ شدہ ماحول دکھایا جا رہا ہے۔ دجال، جہاد کے موضوع پر کتاب پوچھیے تو دکاندار کی گھگھی بندھ جائے گی قید اور جرمانے کے خوف سے۔علم دشمنی کے یہ مظاہر کیسے؟ جبکہ فحش لٹریچر پر کھلی چھٹی! جب دین کا مذکورہ تصور نبی کریم ﷺ کے بدری اسوہ کے تحت سامنے نہیں آنے دیا جائے گا تو منتقم نوجوان اپنے علاقوں کی بربادی کا بدلہ چکانے میں دین کی حدیں اور قوم کا امن خدانخواستہ برباد کر گزریں گے۔کیا وجہ ہے کہ کتابوں کی بندش پر دینی جماعتیں احتجاج نہیں کر رہیں جن کا اوڑھنا بچھونا ہی مطالعۂ کتب ہوا کرتا تھا؟ ملک کو میڈیائی تھرکتی لہروں اور بگڑے نصابوں سے بچانے کے لیے بھی پاکیزہ مطالعے کی ترویج لازم ہے۔ ہمیں قوم کی تعلیم، تربیت، کردار سازی کے لیے ان گلوبل جھکڑوں سے بچاتے ہوئے کمربستہ ہونے کی ضرورت ہے۔ نظریاتی شناخت کی بحالی ہی میں ملک عزیز کی بقا مضمر ہے۔

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں

☆☆☆

باقی: منبر و محراب

پروپیگنڈے کے باوجود خود کو بھی مطمئن رکھنے اور اپنے حوصلے کو ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش میں رہتا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا، سب ٹھیک ہے وغیرہ۔ لیکن حطمہ ایک ایسی جگہ ہے جو سب کچھ چورا چورا کر دینے والی ہے۔

﴿الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ۝۷﴾ ’’جو دلوں کے اوپر جا چڑھے گی۔‘‘

اس آگ کا سب سے زیادہ اثر دل پر ہوگا جس کو سرمایہ دار زبردستی مطمئن رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ جانتا بھی ہے کہ حق کے خلاف جو پروپیگنڈا میں پھیلا رہا ہوں وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے مگر اس کے باوجود بھی اپنے دل کو شکست و ریخت سے بچائے رکھتا ہے اور اس کو بہلانے کے لیے ظلم وستم و ناانصافی کے نئے نئے آئیڈیاز سوچتا رہا ہے۔ مگر آخر کب تک۔

﴿اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸﴾ ’’بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔‘‘

﴿فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹﴾ ’’بڑے اونچے اونچے لمبے ستونوں میں۔‘‘

دنیا میں تو ہر طرح کے ظلم و ستم کے باوجود سرمایہ ان کے لیے بچ نکلنے کا ہر راستہ تلاش کر لیتا تھا مگر وہاں ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کے ستونوں میں بند کر دیا جائے گا جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ بند ہونے کی وجہ سے آگ کی حدت اور تمازت آخری حدوں کو چھو رہی ہوگی۔ انسان اس سے زیادہ خوفناک انجام کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ ہے وہ انجام جس تک سرداران قریش پہنچنے والے ہیں اور اس میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں جو صراط مستقیم (نجات کے راستے) کی بجائے دوسرے راستے پر چل کر جھوٹے پروپیگنڈے، سرمائے اور دیگر وسائل سے خود کو تحفظ دینے اور دل کو مطمئن رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں شامل ہونے سے بچائے۔ آمین۔

✿✿✿

ان شاء اللہ

تنظیم اسلامی کے فاضلینِ درسِ نظامی کا خصوصی اجتماع

23 مارچ 2017ء

(بروز جمعرات) صبح 09:30 بجے تا نماز مغرب

بمقام قرآن اکیڈمی، K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور

قیام کی صورت میں موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم و تربیت: 36316638-36366638(042)

لبرل ازم اور اس کے اثرات و نتائج

محمد فاروق

'لبرل ازم' کو ہر اُس خیال، نظریے، عقیدے اور عمل سے دشمنی ہے، جو نفس انسانی کی بے لگام آزادی پر کسی قسم کی پابندی لگائے۔ لفظ 'لبرل' انگریزی کے لفظ 'لبرٹی' (liberty) یعنی مطلق آزادی و خود مختاری) اور لاطینی لفظ 'لائبر' (آزاد و خود مختار) سے ماخوذ ہے۔ اب یہ لفظ ایک مستقل اصطلاح کی حیثیت سے خدا اور نفس مذہب سے مطلق آزادی کی علامت بن چکا ہے۔

یورپی معاشرے میں عیسائی مذہبی رہنماؤں کی جانب سے سینکڑوں برس تک مذہب کی غلط اور خود ساختہ تشریح، مذہب کے غلط استعمال اور اس کی بنیاد پر عوام کے استحصال کے خلاف چودھویں صدی عیسوی میں شدید منفی ردِعمل پیدا ہوا، جس کی بنیاد پر ایک تحریک برپا ہوئی۔ اس تحریک کے فکری رہنماؤں نے جو آبائی طور پر خود بھی عیسائی تھے، دینِ عیسیٰؑ میں در آنے والے بگاڑ کی اصلاح کرنے کے بجائے خود دینِ عیسوی ہی کو رد کر دیا اور معاشرتی اقدار، قوانین اور اخلاقیات کی تشکیل کے عمل سے دینِ عیسوی کو بے دخل کر دیا۔ عیسائیت کی گرفت کمزور پڑنے سے یورپی عوام میں فکری خلا پیدا ہوا، جسے پُر کرنے کے لیے انسانوں کے خود ساختہ اور متفرق خیالات نے جگہ بنالی۔ مذہب سے باغی ان یورپی لوگوں نے دنیا کے مختلف ملکوں کو تاراج کر کے وہاں حکومتیں قائم کیں تو اپنے لبرل نظریات ہی کو مقبوضہ معاشروں کی تشکیل نو کی بنیاد بنایا۔ مقبوضہ مسلم ممالک کے کچھ مسلمان بھی لبرل ازم سے متاثر ہوئے اور اس کے نقیب بن گئے۔

عیسائیت ہی نہیں بلکہ چین کے تاؤازم اور کنفیوشس ازم، جاپان کے شنتوازم اور بدھ مت اور ہندوستان کے ہندومت، لبرل ازم کے سامنے غیر مؤثر ہو چکے ہیں۔ مشرق بعید میں پھیلے ہوئے بدھ مت اور نسل پرست یہودیت سمیت تمام مذاہب جو کہ اپنی ساخت وہیئت کے اعتبار سے معاشرے کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی تشکیل میں پہلے بھی کوئی بہت سرگرم کردار نہیں رکھتے تھے، پچھلے 60 برسوں میں لبرل ازم کے فکری طوفان بدتمیزی کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے ہیں اور ریاستی و معاشرتی امور میں رہنمائی سے کلی طور پر دست بردار ہو چکے ہیں۔ ایک دین اسلام ہے جو اپنی فکری بنیاد کی مضبوطی کے سبب میدان میں قوت کے ساتھ موجود ہے۔ اسی لیے تمام لبرل قوتوں کا نشانہ بھی اس وقت دین اسلام اور وہ مسلمان ہیں جو دین اسلام کو اس کی اصل شکل میں اس کی روح کے ساتھ قائم کرنا اور قائم رکھنا چاہتے ہیں۔

لبرل ازم: دہریت کا مقدمہ:

امریکا اور یورپ میں لبرل ازم کے سرخیل، ملحد اور دہریے (atheist یا agnostic) ہیں۔ لبرل ازم اصل میں الحاد اور دہریت کا مقدمہ ہے بلکہ اب تو خود ایک دین ہے اور ایک لبرل شخص ممکنہ طور پر (Potentially) ایک ملحد اور 'دہریہ' ہی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ اور مذہب سے آزادی اور مذہب میں قطع و برید کی خواہش پہلے عملی اور بالآخر نظری طور پر اللہ کے انکار ہی پر منتج ہوتی ہے۔ کوئی سرکاری مذہب نہ رکھنے والے ممالک (مثلاً سکینڈے نیویا، جرمنی، ہالینڈ، مشرقی ایشیا اور چین) میں دہریہ کہلانے والے افراد کی تعداد میں پچھلے چند برسوں میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکا میں ان کی تعداد 5 فی صد ہے۔ گیلپ انٹرنیشنل کے سروے کے مطابق دنیا کے 65 ممالک کے 11 فی صد افراد نے دہریت کو اختیار کیا ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ لبرل لوگ جس مذہب سے متعلق ہوتے ہیں، سب سے پہلے اسی کی بنیاد پر ضرب لگاتے ہیں۔ اُس کے شعائر کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اُس دین کے علم برداروں کی تضحیک اور کئی صورتوں میں ریاستی طاقت اور وسائل کے بل پر ان کے قتل تک کے درپے ہوتے ہیں۔

حقیقت سے فرار: جب ایک لبرل یا دہریہ فرد یہ کہتا ہے کہ: ''مذہب انسان کی آزادی کو ختم یا محدود کر دیتا ہے'' تو دراصل وہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ 'خدا' انسانوں کا خود سے گھڑا ہوا ایک خیالی وجود ہے اور اس خیالی وجود نے انسانوں کی آزادی کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ اس قید یا یرغمالی کیفیت سے خود کو اور دوسرے انسانوں کو نکالنے کے لیے یہ لبرل خواتین و حضرات اپنی مذموم کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

تاہم، جو بات یہ لبرل خواتین و حضرات سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتے، وہ یہ ہے کہ اگرچہ حیاتیاتی طور پر (biologically) انسان ایک حیوانی وجود ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بہر حال ایک اخلاقی وجود بھی ہے اور یہی اس کی اصل پہچان ہے۔ ایک انسان کے اندر پائی جانے والی صحیح اور غلط کو پہچاننے اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار یا رد کرنے کی جبلی صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان نرا حیوان نہیں ہے۔ ایک بڑا فرق حیوان اور انسان میں یہ ہے کہ انسان اپنے اردگرد کو پہچانتا ہے، اس کا گہرا شعور رکھتا ہے اور اپنی ذات کو پہچاننے اور اسے نمایاں کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان اشیا کا تجزیہ کرنے اور ان کے باہمی تعامل کو سمجھنے کی پیدائشی صلاحیت رکھتا ہے اور یقیناً یہ صلاحیت حیوانات میں نہیں ہے۔ انسانوں کی یہ پیدائشی صلاحیتیں اُس کے بچپن سے جوانی تک بتدریج نمو پاتی ہیں، لیکن جانوروں میں ایسی تدریج کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔ جبلی طور پر انسان میں پایا جانے والا 'ضمیر' یہ قوت رکھتا ہے کہ کسی قسم کے خارجی دباؤ یا قانون کے بغیر حیوانی خواہش پر قابو پا کر کسی بھی غلط کام سے انسان کو روک لے۔ اس کے برعکس حیوانوں میں ضمیر نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

دنیا کے تمام نظام ہائے حکومت کی طرح دین اسلام میں بھی قانون کے نفاذ کے ذریعے برائی کے خاتمے اور اس کی روک تھام کا اہتمام موجود ہے، لیکن اس دین کا انحصار اصل میں ان اخلاقی اقدار کو اپنانے پر ہے، جو انسانی ضمیر کی مطابقت میں انسانوں کے خالق نے عطا کی ہیں۔ دنیا میں اس وقت پائی جانے والی تمام اخلاقی اقدار کسی بندر یا انسان نما حیوان نے نہیں بنائی ہیں۔ یہ تمام اقدار الہامی مذاہب کی عطا کردہ ہیں۔ یہ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اخلاقی اقدار کے معاملے میں تاریخ کے مختلف ادوار میں ظاہر ہونے والے پیغمبرانِ خدا یکساں اور مشترک ورثہ انسانوں کو دے کر گئے ہیں۔ ان تمام پیغمبروں نے قانون سے زیادہ اخلاقی اقدار اور ضمیر کی پکار پر توجہ دینے کی تعلیم دی، اگرچہ ناگزیر صورت حال میں تعزیر کا استعمال بھی تجویز کیا۔

پیغمبرِ اسلامؐ کے ابتدائی ساتھیوں اور اسلامی تاریخ کی دیگر شخصیات کی بے شمار مثالوں کے ذریعے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کسی قسم کی قانونی قدغن یا سزا کے خوف کے بغیر محض اپنے ضمیر اور خدا اور آخرت کے دن پر یقین رکھنے کے باعث زبردست اندرونی ڈسپلن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ سچے مسلمان آج بھی انہی اقدار کو سینے سے لگائے

ہوئے ہیں۔ جبکہ مسلمان حکمران اپنی حکومت کو دوام دینے کے لیے اپنے عوام کا قتل عام کر رہے ہیں۔ امریکیوں نے (جو اصلاً یورپ سے نقل مکانی کر کے گئے ہوئے لوگ ہیں) براعظم امریکا کے اصل باشندوں ریڈ انڈین کے قتل عام سے آغاز کیا اور لاکھوں مقامی لوگوں کا نام ونشان مٹا دیا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں طاقت کے بے دریغ استعمال سے ثابت ہوا کہ لبرل لوگ اپنے تحفظ کے لیے اقدام کرتے وقت کسی بھی خونخوار حیوان ہی کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔ 1945ء میں امریکی ایٹمی حملوں کے نتیجے میں جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ لوگ مارے گئے، لاکھوں زخمی اور تابکاری اثرات سے بیمار ہوئے۔

پہلی جنگ (18-1914) کے دوران پونے دو کروڑ اور دوسری جنگ عظیم (45-1939ء) کی آگ میں انہی لبرل قوموں نے 6 تا 8 کروڑ لوگ ہلاک کیے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل کے قوانین موجود ہونے کے باوجود امریکا نے ویت نام پر حملہ کیا اور 20 سالہ جنگ (یکم نومبر 1955ء تا 30 اپریل 1975ء) میں 20 لاکھ سے زیادہ انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ سابق سوویت یونین کے افغانستان پر حملے کے نتیجے میں 15 لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ عراق پر امریکہ حملے کے نتیجے میں اب تک 5 لاکھ اور شام کی جنگ میں تقریباً 2 لاکھ سے زیادہ انسان مارے جا چکے ہیں۔ کیا گزشتہ 200 برس کی تاریخ سے یہ سبق حاصل نہیں ہوتا کہ جب انسان خدا فراموش ہو جائے اور مذہب کی گرفت سے آزاد ہو جائے تو اُس کا رویہ ایک وحشید رندے کا سا ہو جاتا ہے؟

مقام حیرت ہے کہ پچھلے 200 برس میں اتنا ظلم ڈھانے کے بعد بھی یہ لوگ انسانیت کے قائد کہلانے کے دعوے دار ہیں، اور دنیا کو ایک نئی اخلاقیات کا درس دیتے ہیں، اور اپنے مخالفین کو 'بنیاد پرست' 'انتہا پسند' اور 'دہشت گرد' کے القاب سے نوازتے ہیں!

لبرل ازم کے علم بردار عموماً مذہبی شعائر اور بالخصوص رسول کریم ﷺ کی توہین کے لیے اپنی وضع کردہ 'آزادیٔ رائے' کو آڑ بناتے ہیں۔ دوسری لبرل حکومتیں توہین عدالت پر تو سزا دیتی ہیں لیکن رسول اکرم ﷺ کی توہین پر خاموشی اختیار کرتی ہیں۔ کیا یہ دُہرا معیار نہیں؟ کیا یہ مبنی بر انصاف ہے؟

❀❀❀

وحدتِ امت کا ثبوت!!

انور غازی

ملک شام میں 2011ء سے خانہ جنگی جاری ہے۔ اس کے نتیجے میں اب تک ہر 10 میں سے 6 شامی اپنا گھربار چھوڑ کر دوسرے ممالک یا اپنے ہی ملک کے دوسرے علاقوں میں ہجرت کر چکے ہیں۔ شامی مہاجرین کی یہ تعداد ایک کروڑ 20 لاکھ سے زائد بنتی ہے۔ ان مہاجرین میں سے 74 لاکھ شامی اپنے ہی ملک میں اور 48 لاکھ پڑوسی ممالک میں پناہ گزین ہیں۔ سب سے زیادہ مہاجرین ترکی میں پناہ گزین ہیں۔ ترکی میں اس وقت 27 لاکھ شامی مہاجر موجود ہیں۔ اس کے علاوہ لبنان میں 14 لاکھ، اردن میں سات لاکھ، عراق میں 3 لاکھ، مصر میں 2 لاکھ، جرمنی میں ڈیڑھ لاکھ، یونان میں ایک لاکھ کے قریب، الجزائر میں 40 ہزار، سویڈن میں 55 ہزار، آسٹریا میں 23 ہزار، برطانیہ میں 8 ہزار، آرمینیا میں 5 ہزار، بحرین میں 6 ہزار، لیبیا میں 5 ہزار 2 سو، اطالیہ میں قریباً پانچ ہزار، بلغاریہ میں 5 ہزار 5 سو، کینیڈا میں 3500، برازیل میں 2100، رومانیہ میں 1847، ارجنٹائن میں ایک ہزار سے زائد، روس میں 1800، فلسطین میں 1200، فرانس میں ایک ہزار کے قریب، مقدونیہ میں ایک ہزار، پولینڈ میں پانچ سو، کولمبیا میں 800، یوراگوئے میں 500، امریکہ میں 600 اور میکسیکو میں 400 سے زائد شامی مہاجر موجود ہیں۔ یہ مہاجرین کن حالات میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں۔ یہ دل دہلا دینے والی داستانیں ہیں۔ مہاجر کیمپوں میں موجود ان لوگوں کو انسانیت کی طرف سے بدترین سلوک کا سامنا ہے۔ خاص طور پر یورپ میں پناہ گزین ان شامی مہاجرین کی زندگی اذیت کا شکار ہے۔ انسانیت پر مہربانی کے نام نہاد دعویدار یورپ میں شامی خواتین کے ساتھ زیادتیاں کی جا رہی ہیں۔ دست درازی اور چادر اور چار دیواری کی تمام حدود پار کی جا رہی ہیں۔ مہاجر کیمپوں میں لاکھوں معصوم بچے ہیں اور ان بچوں کو بنیادی سہولتیں تک میسر نہیں۔ دودھ، پانی، علاج معالجے کی سہولتوں اور خوراک کی شدید قلت کا سامنا ہے۔ لاکھوں ایسے بچے ہیں جن کا کوئی والی وارث موجود نہیں۔ یہ خانہ جنگی میں اپنے والدین سے بچھڑ گئے یا ان کے والدین جنگ کا دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو گئے مگر ان لاکھوں بچوں کا کوئی بھی پرسان حال نہیں۔ یہ لاکھوں مہاجر شامی سرحدوں اور پڑوسی ممالک کے سرحدی علاقوں میں بے یارومددگار پڑے ہیں۔ شدید سردی، برف باری اور موسم کی سختی نے ان کی زندگیاں اجیرن کر رکھی ہیں مگر انسانی حقوق کے دعویدار ادارے اور مہذب قوم ہونے کا دعوٰی کرنے والے ان مظلوموں کی دادرسی کرنے کو تیار نہیں۔ ترکی میں موجود پناہ گزینوں کو بھی دہری مشکلات کا سامنا ہے۔ ایک جانب یہ اپنے ملک سے تباہ حال رخصت ہو کر وہاں پہنچے تو اب ترکی میں بھی امن وامان کی صورتحال کے ابتر ہو جانے سے وہاں ان کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ ترکی میں پے در پے دہشت گردی کے واقعات سے معاشی گراف تیزی سے نیچے آ گیا ہے۔ ترکی کی کرنسی شدید گراوٹ کا شکار ہے اور ان حالات میں ترکی شدید معاشی اور انسانی بوجھ تلے دب چکا ہے۔ دیگر ممالک نے تو پہلے پہل شامیوں پر اپنی سرحدیں بند کر دیں۔ یورپ اور امریکہ نے مذہبی تعصب کی دیواریں کھڑی کر دیں۔ جرمن چانسلر انیجلا مرکل انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مہاجرین کے لیے اپنے در کھولنا چاہتی تھیں مگر دائیں بازو کی جماعتوں کی شدید مخالفت نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے۔ یورپ میں دہشت گردی کے واقعات بھی مہاجرین کی آبادکاری میں سب سے زیادہ رکاوٹ کا باعث بنے۔ فرانس میں چارلی ہیبڈو کے دفتر پر حملہ ہو، نیس شہر میں ٹرک کے ذریعے دہشت گردی ہو، جرمنی کے مختلف شہروں میں دہشت گردی کے واقعات ہوں یا پھر پیرس اور بلجیم میں حملے، دہشت گردی کے ان واقعات سے مسلم دنیا کے

خلاف یورپ بھر میں نفرت آمیز لاوا پھٹا اور شامی مہاجرین اس لاوے کا شکار ہوگئے۔ ناقدین کا کہنا ہے ان حملوں کے پیچھے بھی یورپ کی متعصب سوچ کارفرما تھی۔ شام میں انسانیت کے اس المیے پر یورپی ممالک میں حملوں کا مقصد پناہ گزینوں کے خلاف نفرت کو ہوا دینا تھا۔ یورپ بھر میں یہ خوف پھیلانا مقصود تھا کہ اگر ان شامی مہاجرین کو پناہ دے دی گئی تو یورپ کی اقتصادی اور ثقافتی ہیئت کو شدید نقصان پہنچے گا اور یورپ کی اصل شناخت متاثر ہوگی، تاہم جرمنی اور کینیڈا کی طرف سے مہاجرین کو پناہ دینے کے پیچھے بھی کچھ وجوہات ہیں۔ جرمنی دنیا کا واحد ملک ہے جس میں شرح پیدائش سب سے کم ہے۔ یہ ایک صنعتی ملک ہے اور اس صنعتی ملک کو انڈسٹری چلانے کے لئے جوان خون درکار ہے۔ جرمنی میں ریٹائرڈ بوڑھوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور جرمنی کو اپنی اقتصادیات بچانے کے لئے اندازاً 70 لاکھ افراد کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کینیڈا کو بھی اپنی آبادی کا توازن برقرار رکھنے کے لیے دو ڈھائی لاکھ غیر ملکی افراد چاہیے ہوتے ہیں۔ یوں اگر یہ ممالک مہاجرین کو پناہ دے رہے ہیں تو یہ ان ممالک کی اپنی ضروریات اور مستقبل کی پیش بندی بھی ہے۔ اسی طرح ہنگری ہے۔ ہنگری واحد ملک تھا جس میں شامی مہاجرین کے خلاف سب سے زیادہ غم و غصہ دیکھا گیا۔ مہاجرین کی آبادکاری کے حوالے سے ہنگری میں باقاعدہ ریفرنڈم بھی ہوا اور اس ریفرنڈم میں اکثریت نے مہاجرین کے خلاف ووٹ دیا۔ ہنگری کو بھی آبادی کا عارضہ لاحق ہے۔ ہنگری میں ہر سال پچاس ہزار افراد کی کمی واقع ہو جاتی ہے، لیکن یہ اس کے باوجود مہاجرین کو پناہ دینے کو تیار نہیں۔ یورپ کا یہ دہرا رویہ ہے جہاں ایک طرف وہ مہاجرین سے ہمدردی کے بیانات جاری کرتا رہتا ہے تو دوسری طرف ہر واقعے اور دہشت گردی کا تعلق مہاجروں سے جوڑ کر ان سے بچنے کے اسباب بھی پیدا کرتا ہے۔ یوں اگر دیکھا جائے تو مہاجرین کا یہ سارا بوجھ اس وقت مسلم ممالک کے کاندھوں پر ہے۔ ترکی، لبنان اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک اپنے ہی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ شام کا بوجھ بھی اٹھا رہے ہیں۔ صرف اکیلے ترکی نے 70 ارب ڈالر سے زائد کی رقم ان مہاجرین کے لئے وقف کی ہے، لیکن مہذب دنیا کہلانے والی طاقتیں، انسانیت کے گن گانے والی قوتیں ان شامیوں کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ ایک جانب اپنے ہی اتحادیوں سے شامیوں کی نسل کشی جاری رکھے ہوئے ہیں اور دوسری جانب ان مہاجرین کو پناہ دینے سے بھی گریزاں ہیں۔ شامی مہاجرین کے ساتھ یہ سلوک ایک بڑے انسانی المیے کو جنم دے رہا ہے۔ اردن، عراق، ترکی، لبنان اور فلسطین سرحدوں میں گھرا یہ شام قیامت خیز مناظر سے گزر رہا ہے۔ پڑوسی ملک عراق ہے جو پہلے ہی زخموں سے چور چور ہے۔ لبنان بذاتِ خود انتشار کا شکار ہے۔ فلسطین پر عالمی سامراج کا گماشتہ اسرائیل آگ و آہن برسا رہا ہے اور رہ جاتے ہیں ترکی اور اردن تو ترکی دہشت گردی کا شکار ہونے کے باوجود شام کی مدد کر رہا ہے اور اردن بھی سات لاکھ مہاجرین کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، باقی دنیا انسانیت کے اس بڑے المیے پر خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔ امیر ممالک اپنی عیش و عشرت میں مگن ہیں۔ عالمی طاقتیں اپنا مفاداتی کھیل پراکسی وار کھیلنے میں مصروف ہیں اور کروڑوں شامی زندگی کی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”مسلمان ایک جسم کی مثال رکھتے ہیں کہ جسم کا ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم اضطراب اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔“ ڈیڑھ ارب مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ وحدت امت کا ثبوت دیں۔

❁ ❁ ❁

دعائے مغفرت

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

☆ حلقہ پنجاب شرقی فقیر والی کے رفیق محمد منیر احمد کے والد وفات پا گئے

☆ تنظیم اسلامی عارفوالا کے رفیق ڈاکٹر محمد محسن کے دادا وفات پا گئے

☆ حلقہ پنجاب شرقی کے ڈرائیور حافظ حاکم علی کے بڑے بھائی وفات پا گئے

☆ ہفت روزہ ندائے خلافت کے ڈیزائنر اور کمپوزر عقیل عباس کے نانا وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

مرکز تنظیم اسلامی کی جانب سے

مبتدی نصاب کی آڈیو (mp3) ریکارڈنگ

ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کی آواز میں

کسی بھی ڈیوائس پر دستیاب ہے

☆ قرآن حکیم اور ہماری ذمہ داریاں
☆ دنیا کی عظیم ترین نعمت قرآن حکیم
☆ حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے
☆ رسول ﷺ انقلاب کا طریقہ انقلاب
☆ تنظیم اسلامی کی دعوت
☆ اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت
☆ انفرادی نجات اور اجتماعیت کے لیے قرآن کا لائحہ عمل
☆ رب ہمارا
☆ راہ نجات
☆ عزم تنظیم
☆ تعارف تنظیم اسلامی
☆ تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر

ملنے کا پتہ: مرکز تنظیم اسلامی A-67 علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور
فون: (042)36366638-36293939

تیار کردہ: انجمن خدام القرآن فیصل آباد
P-45 قرآن اکیڈمی سعید کالونی نمبر 2 فیصل آباد
فون: (041)2420490-8520869

Is Israel Preparing for a New Middle East War?

By Germán Gorraiz López

Theodor Herzl is considered the Father of the present State of Israel as well as the founder of Zionism and in his book "The Jewish State: Essay on a Modern Solution to the Jewish Question" proposed the creation of an independent and sovereign Jewish State for all Jews of the World, while promoting the creation of the OSM (World Zionist Organization) and in his work "The Old New Earth" (1902), lays the foundations of the present Jewish state as a "utopia of a modern, democratic and prosperous nation", projected as a prophecy to the Jewish people within the context of the search of rights for the national minorities of the time that lacked a 'state', like the Armenians and the Arabs.

However, the far right activists at aurora-israel.com denounce that "the isolationist policy of Prime Minister Binyamin Netanyahu seems to be at the antipodes of the founders of Zionism, such as Teodoro Herzl and Chaim Weizmman, who included the movement within the progressive spectrum in the field of diplomacy, so the question is whether the diplomatic isolation of Israel can be reversed with a policy that is contrary to immobility and closure." *(Hebrew dialect used in names)*

The Jewish movement Peace Now in its report "Moving away from the solution of the Two States", asserts that the Government of Netanyahu plans to resume the project of building more than 55,000 houses in settlements located in occupied territory of the West Bank and East Jerusalem and adds that more than 8,000 Jews would be settled in the colony E-1, a territory of 12 square kilometers located between the Jewish settlement of Maale Adumin and the northeastern area of Jerusalem, which in practice would mean the termination of the existence of Two States and a decree to absolutely reject the 'red line' imposed by the U.S. and the EU. As a result, the Obama Administration allowed the UN Security Council to condemn Israeli settlements, ignoring US President-elect Donald Trump, who unsuccessfully tried to stop the resolution and breaking with the 'traditional' stance, the United States chose not to veto this critical text related to Israel and abstained instead, while the other fourteen members of the Council voted in favor, a move which had as an immediate collateral effect the energetic condemnation of the Netanyahu Government of the resolution of the Council, which demands the end of the Colonization and try to ensure the viability of the two-state solution, as well as the US decision to allow it to be approved.

American scholar Harold Lasswell (one of the pioneers of mass communication research) studied post-World War I propaganda techniques and identified a way of manipulating the masses (hypodermic needle or magic bullet theory) , A theory embodied in his book "Propaganda Techniques in World War" (1927) and based on injecting into the population a concrete idea with the help of the mass media to direct public opinion for their own benefit and that allows to achieve the

the adhesion of individuals to their political ideology without resorting to violence" (defense of the sacrosanct security of Israel).

Edward L. Bernays, Sigmund Freud's nephew and one of the pioneers in the study of mass psychology, in his book "Crystallizing public opinion", unravels the group's brain mechanisms and the influence of propaganda as a method to unify mass thinking. In his words, "the mind of the group does not think, in the strict sense of the word. Instead of thoughts it has impulses, habits and emotions. At the moment of deciding, the first impulse is usually to follow the example of a leader in whom the majority in the group put their trust". This is the reason why the propaganda of the Zionist establishment will be directed not to the individual subject but to the 'Group' in which the personality of the one-dimensional individual is diluted and finds itself shrouded by fragments of false expectations and common aspirations that support it, using the 'invisible dictatorship' of fear of the Third Holocaust, be it from Hamas, Hezbollah, Iran or any other 'effective' source.

Following the US Senate and Congressional approval of a statement prepared by Republican Sen. Lindsey Graham and Democrat Robert Menendez stating that "if Israel is forced to defend itself and take action (against Iran), the United States will fully support it militarily and diplomatically", we will see increased pressure from the pro-Israel lobby of the United States (in other words, AIPAC) to proceed to the destabilization of Syria and Iran by expeditious methods at the Trump stage, which will be used by the US-Britain-Israel Trilateral to redesign the unconnected puzzles mapping the present Middle Eastern countries and thus achieve strategically advantageous borders for Israel, following the plan orchestrated 60 years ago by the Governments of Britain, the United States and Israel (Greater Israel, Eretz Israel) and would have the support of the main Western allies, as it would try to unite the antithetical concepts of the atavism of Greater Israel (Eretz Israel) and that it would drink from the sources of Genesis 15:18 *(Old Testament)*, which states that "4,000 years ago, the title of ownership of all the land existing between the Nile River of Egypt and the Euphrates River was bequeathed to the Hebrew patriarch Abraham and later transferred to his descendants."

This would entail the restoration of the Balfour Declaration (1917), which drew a state of Israel with a vast expanse of about 46,000 square miles, stretching from the Mediterranean east of the Euphrates to Syria, Lebanon, the northern part of Iraq, Northern part of Saudi Arabia, the coastal strip of the Red Sea and the Sinai Peninsula in Egypt as well as Jordan. This doctrine has been vehemently defended even by leaders claiming to be on 'the left', such as Isaac Shamir who stated, "Judea and Samaria (biblical terms of the current West Bank) are integral part of the land of Israel. They have not been captured nor will they be returned to anyone", a doctrine on which the current postulates of the extreme far-right Likud party led by Netanyahu are based, who aspires to make Jerusalem the "indivisible capital of the new Israel and the seat to the throne of the world."

<u>Source:</u> ***Centre for Research on Globalization, Canada***

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ کُلّیۃ القرآن لاہور

(وفاق المدارس سے الحاق شدہ)

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

''تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔'' (حدیث نبوی ﷺ)

درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) کے پہلے سال و میٹرک میں

داخلے شروع

خصوصیات

☆ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے کی کلاسز
☆ ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے کلی یا جزوی کفالت کی سہولت
☆ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ / پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
☆ کلاس میں نمایاں پوزیشن لینے والے طلبہ کے لیے وظائف
☆ تقریر اور تحریر کی مہارت کے لیے نامور اساتذہ کی راہنمائی
☆ ہاسٹل میں محدود نشستیں موجود ہیں۔

شیڈول برائے داخلہ

☆ بغیر لیٹ فیس داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ	20 مارچ 2017ء
☆ انٹرویو اور تحریری ٹیسٹ	20 مارچ 2017ء
☆ کلاس کا آغاز	21 مارچ 2017ء

اہلیت برائے داخلہ

☆ آٹھویں جماعت پاس طلبہ داخلہ فارم جمع کروا سکتے ہیں۔
☆ عمر 14 تا 16 سال (حفاظ کے لیے عمر میں دو سال کی رعایت)
☆ صرف پاکستان کے شہری

برائے معلومات

دفتری اوقات کے دوران 042-35833637
دفتری اوقات کے بعد 0301-4882395

المعلن

حافظ عاطف وحید (مہتمم)

VOL : 26 | Regd. C.P.L NO. 114 | No.10

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

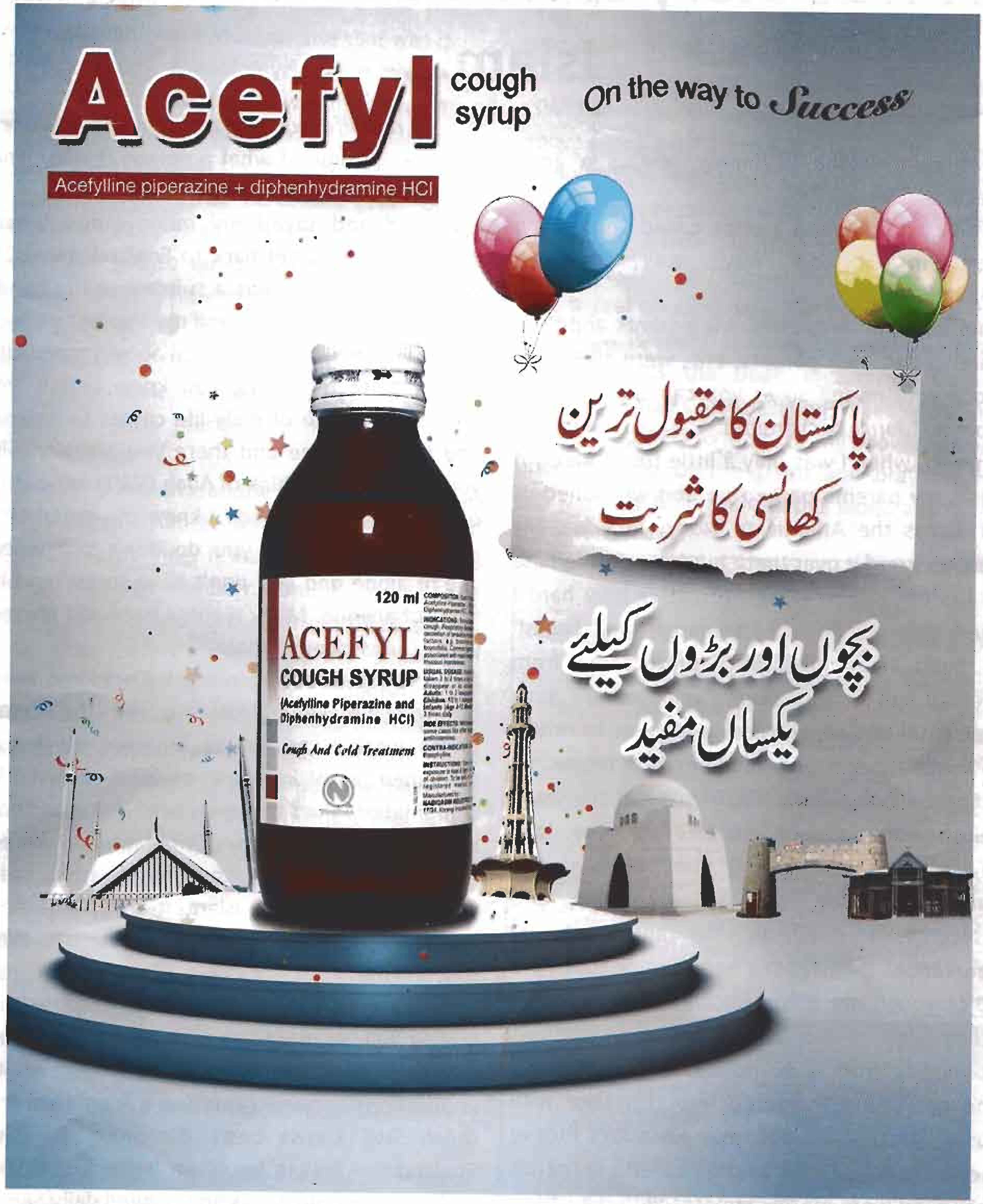

PHARMA

NABIQASIM INDUSTRIES (PVT) LTD
5th Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road, Karachi-Pakistan
Email: info@nabiqasim.com website: www.nabiqasim.com UAN 111-742-762

your Health our Devotion